احکام القرآن میں تحریف

مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن اور اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن کا

ناقدانہ جائزہ

از

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

شائع کردہ

النور پرنٹرز و پبلشرز ○ پوسٹ بکس ۴۱۹۰ ○ لاہور ۲۵

Bazm e Toronto
www.tolueislam.org
bazmtoronto@gmail.com
416-626-6177

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نام کتاب : احکام القرآن میں تحریف
مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن اور
اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن کا ناقدانہ جائزہ

مصنف : پروفیسر رفیع اللہ شہاب

طابع : خالد منصور نسیم
النور پرنٹرز و پبلشرز
3/2 فیصل نگر - ملتان روڈ -
پوسٹ بکس 4190 - لاہور - 25
ٹیلیفون: 042-485826

کمپوزنگ : سلور لنک کمپوزنگ سنٹر رائل پارک لاہور

ناشر : محمد عمر دراز
چیف ایگزیکٹو النور پرنٹرز و پبلشرز

ایڈیشن : اول - جولائی 1991

قیمت : [redacted] روپے 150/-

ISBN 969-8106-20-0

ملنے کا پتہ

النور پرنٹرز و پبلشرز
3/2 فیصل نگر - ملتان روڈ
پوسٹ بکس 4190 لاہور - 25
ٹیلیفون: 042-485826

مکتبہ دین و دانش
چوک اردو بازار
لاہور

فہرست مشمولات

صفحہ

تعارف ۱۴

۱۔ پہلا باب

تفہیم القرآن کی تفسیر کا اصل مآخذ۔ ۱۷

تفہیم القرآن کی پہلی جلد کی اشاعت۔ ۱۷

تفسیر غرائب القرآن۔ ۱۹

تفسیر غرائب القرآن کا مصنف۔ ۲۰

تفسیر غرائب القرآن پر اعتراضات۔ ۲۲

عقیدۂ ناسخ و منسوخ۔ ۲۳

طلاقِ بدعت۔ ۲۴

انسان اللہ کا خلیفہ نہیں ہے۔ ۲۶

عورتوں کو پیٹنے کی اجازت نہیں۔ ۲۷

۲۔ دوسرا باب

مودودی صاحب کی تفسیر کو مقبول بنانے کیلئے علماء کی تذلیل۔ ۲۹

مسلمانوں کی تمام جماعتیں جنسِ کاسد ہیں۔ ۲۹

جُبّوں اور عماموں میں سیاہ دل۔ ۳۰

علماء اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ ۳۰

صدیوں کے جمود کا نقصان۔ ۳۱

پروفیسر مولانا عبدالستار خیری۔ ۳۲

علماء کے اِردگرد دو سو سال پرانی فضاء۔ ۳۲

علماء نے اسلام کو جامد اور غیر متحرک بنا دیا ہے۔ ۳۳

حجروں کی تنگ دنیا اور علماء کے مشاغل۔ ۳۵

علماء کا اہم مشغلہ کافر گری۔ ۳۶

درسِ نظامی میں آٹے میں نمک برابر بھی دین نہیں۔ ۳۷

علماء کی زبانوں میں ڈنک ہے۔ ۳۹

درسِ نظامی کے اُستاد، ذہنی پستی اور طباع کا افلاس۔ ۴۱

درسِ نظامی کے مقابلے میں مودودی صاحب کا مثالی علم۔ ۴۲

اسلامی شریعت کو منجمد شاستر بنا دیا گیا ہے۔ ۴۳

داڑھی سنّت نہیں بلکہ عادت ہے۔ ۴۴

داڑھی کی مِقدار کو مخصوص قرار دینا بدعت اور تحریفِ دین ہے۔ ۴۵

علماء دعوتِ دین سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ۴۸

عیدِ میلاد اور دوسرے مذہبی جلسے۔ ۴۹

مجالسِ قرأت اور سرکس کے کھلاڑی۔ ۵۰

تقلید گناہ سے شدید تر ہے۔ ۵۰

علماء کے خلاف نفرت و حقارت فطری حد کے اندر ہے۔ ۵۲

علمائے دیوبند، سہارنپور، دہلی اور تھانہ بھون کے فتاویٰ۔ ۵۴

علماء اور بے دین قیادت کا گٹھ جوڑ۔ ۵۵

مولانا حسین احمد مدنی صاحب کے فتویٰ کا جواب۔ ۵۶

مولانا احمد علی مرحوم اور جماعتِ اسلامی۔ ۵۸

تبلیغی جماعت اور بُدھ مت کے بھکشو۔ ۶۰

۳۔ تیسرا باب

تفہیم القرآن جلد اول پر ایک نظر۔ ۶۲

نذر ماننا۔ ۶۳

قرآن و حدیث کے مطابق طلاق کا صحیح طریقہ۔ ۶۴

قرآن و حدیث کا طریقِ طلاق، حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ ۶۵

حنفی فقہ کی کتابوں کی تضحیک۔ ۶۷

تحلیل یا حلالہ۔ ۶۷

سود، فوجداری جرم ہے۔ ۶۸

رہن اور سود۔ ۷۰

نکاح ایک معاہدہ ہے۔ ۷۰

مال نابالغ کے سپرد نہ کیا جائے۔ ۷۱

وفات ٹیکس۔ ۷۲

لونڈیوں سے تمتّع۔ ۷۳

لونڈی سے نکاح کا قرآنی حکم۔ ۷۳

لونڈیاں دورِ ملوکیت کا تحفہ ہیں۔ ۷۵

تعدادِ ازواج۔ ۷۶

شیطان کے شاگرد۔ ۷۸

عورتوں کے بنیادی حقوق۔ ۷۸

عقلی دلیل مانگنے والوں کا مقام، اسلام کی سرحد سے باہر ہے۔ ۷۹

ضبطِ ولادت کو جائز قرار دینے والے شیطان کے شاگرد۔ ۸۱

۴۔ چوتھا باب

حقوق الزّوجین اور پاکستان کے عائلی قوانین۔ ۸۴

مودودی صاحب اور حنفی فقہ۔ ۸۵

نکاح کی رجسٹری۔ ۸۶

تحدیدِ ازواج۔ ۸۸

خُلع اور تعدّدِ ازواج ۸۹

طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس۔ ۹۰

طلاقِ بدعت اور حلالہ۔ ۹۲

مرد کے حقِ طلاق کا مشروط ہونا۔ ۹۳

صغر سنی کی شادی۔ ۹۴

۵۔ پانچواں باب

مسئلہ ملکیت زمین کے حوالے سے سود کے جواز کا فتویٰ۔ ۹۸

لامحدود ملکیت کے جواز کا استدلال۔ ۱۰۰

مضاربت اور مزارعت۔ ۱۰۴

مضاربت کی تعریف میں چپکے سے اصلاح۔ ۱۰۷

پی۔ ایل۔ ایس اکاؤنٹ کی بنیاد مضاربت کی غلط تعریف پر۔ ۱۰۸

۶۔ چھٹا باب

قرآنِ مجید اور خاندانی منصوبہ بندی۔ ۱۱۲

خاندانی منصوبہ بندی کوئی جدید مسئلہ نہیں۔ ۱۱۳

قرآنی آیت نساؤکم حرث لکم۔ ۱۱۴

فقہاء کے نزدیک عزل کا مفہوم۔ ۱۱۶

امام شافعیؒ کا نقطہ نظر۔ ۱۱۷

خاندانی منصوبہ بندی اور قتل اولاد۔ ۱۲۱

اہل مغرب کے اقوال کا سہارا۔ ۱۲۳

کثرتِ طلاق۔ ۱۲۳

طبقات کا عدم توازن۔ ۱۲۴

مالتھوس سے غلط استدلال۔ ۱۲۵

بوڑھوں کے تناسب میں اضافہ۔ ۱۲۶

زناکاری میں اضافہ۔ ۱۲۸

زندگی میں کامیابی کے لئے کثرتِ اولاد کی شرط۔ ۱۲۹

قحط الرّجال۔ ۱۳۰

لذّت پرستی۔ ۱۳۰

قتلِ اولاد۔ ۱۳۱

خاندانی منصوبہ بندی اور دفاع۔ ۱۳۲

۷۔ ساتواں باب

تفہیم القرآن جلد دوم پر ایک نظر۔ ۱۳۸

داعیٔ حق کی صفات۔ ۱۳۸

ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ حرام۔ ۱۳۹

جہادِ کشمیر کی حُرمت کے غلط فتویٰ کی قرآنی تائید۔ ۱۴۰

جہادِ کشمیر کے فتوے کے بارے میں وضاحت۔ ۱۴۱

مُرتد کی سزا قتل ہے۔ ۱۴۲

حضرت ابوبکرؓ پر افتراء۔ ۱۴۴

قتلِ مرتد کیلئے قرآنِ مجید سے انوکھا استدلال۔ ۱۴۵

عہدِ رسالت مآبؐ میں اِرتداد۔ ۱۴۷

جماعتِ اسلامی کے لئے زکوٰۃ لینے کا جواز۔ ۱۴۷

زائد مسجد بنانا' احمقانہ مذہبیت ہے۔ ۱۴۹

موجودہ مذہبی تعلیم کے بنیادی نقائص۔ ۱۵۰

اپنی قید کو انبیاءؑ کی آزمائش کے ہم پلّہ قرار دینا۔ ۱۵۲

مودودی صاحب کو قید کرنے والے حکمران' بے ایمان' شیطان'

جھوٹے' ظالم اور بے حیاء ہیں۔ ۱۵۳

پتھر کے بت اور اولیاء اور انبیاءؑ کو مدد کے لئے پکارنا۔ ۱۵۳

معراجِ نبویؐ جسمانی تھا یا روحانی۔ ۱۵۴

ایک کپکپا دینے والا مقام۔ ۱۵۵

۸۔ آٹھواں باب

جہادِ کشمیر کو حرام قرار دینے کیلئے قرآنِ مجید سے استدلال۔ ۱۶۰

فتویٰ سے انکار۔ ۱۶۲

فتویٰ نہیں فقہی رائے۔ ۱۶۳

مدیر نوائے وقت حمید نظامی مرحوم کی طنز۔ ۱۶۴
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا مکتوب۔ ۱۶۵
علمائے پاکستان کا فتویٰ۔ ۱۶۷
معاہدانہ تعلقات والی دلیل کا علمی تجزیہ۔ ۱۷۱
ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ حرام۔ ۱۷۲
پاکستان دارِ عدُو ہے۔ ۱۷۲
پاکستانی حکمرانوں پر مودودی صاحب کی کردار کشی کا الزام۔ ۱۷۳

۹۔ نواں باب

قرآن اور مرتد کی سزا کا مسئلہ۔ ۱۷۶
قرآنِ مجید سے قتلِ مُرتد کے لئے غلط استدلال۔ ۱۷۶
مُرتد کے بارے میں قرآنی آیات۔ ۱۸۱
منافقین اور اِرتداد۔ ۱۸۳
مُرتد کا حکم احادیث میں۔ ۱۸۴
ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ۔ ۱۸۷
اِرتداد اور خلافتِ راشدہ کے نظائر۔ ۱۹۱
مُرتدوں کے خلاف خلیفۂ اوّل کا اجتہاد۔ ۱۹۲
خلافتِ راشدہ کے دوسرے نظائر۔ ۱۹۵
ائمہ مجتہدین اور قتلِ مرتد۔ ۱۹۸

۱۰۔ دسواں باب

تفہیم القرآن جلد سوم پر ایک نظر۔ ۲۰۲
قبورِ صالحین پر مسجدیں بنانے کی ممانعت۔ ۲۰۲
جھوٹ بولنا حرام ہے۔ ۲۰۳
جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ ۲۰۴
احادیث کی صحت جانچنے کے نئے اصول۔ ۲۰۵

منکرِ حدیث کون ہے؟ ۲۰۶
مکّہ معظمہ کے مکانوں کے کرایہ کی حرمت۔ ۲۰۷
مساجد کی دوکانوں کا کرایہ۔ ۲۰۸
حج کے علاوہ قربانی کا حکم۔ ۲۰۹
قربانی اور ائمہ فقہ۔ ۲۱۰
زنا کی سزا کا قرآنی حکم اور رجم۔ ۲۱۱
غیر شادی شدہ لونڈی پر زنا کی حد نہیں ۲۱۲
قرآنی احکام میں معمولی کمی زیادتی پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی۔ ۲۱۳
دورِ رسالتؐ میں رجم کے بارے میں قرآنِ مجید میں ایک آیت موجود تھی۔ ۲۱۴
بوڑھے زانی کو شرعی حد سے بچانے کا حیلہ۔ ۲۱۴
زنا کی سنگین سزا اور بچنے کی تدابیر۔ ۲۱۵
چار گواہوں کی شہادت کی کڑی شرط۔ ۲۱۶
چہرے کا پردہ۔ ۲۱۷
مسلمان حکومتوں کی فرعون سے مشابہت۔ ۲۱۷
کیا رسولؐ اللہ ان پڑھ تھے؟ ۲۱۹

۱۱۔ گیارھواں باب

قرآن اور قربانی کا مسئلہ۔ ۲۲۳
قرآنِ مجید سے قربانی کا استدلال۔ ۲۲۳
حج کی اقسام۔ ۲۲۴
احادیث اور قربانی۔ ۲۲۶
قربانی کی کھالیں۔ ۲۲۸

۱۲۔ بارھواں باب

تفہیم القرآن جلد چہارم پر ایک نظر۔ ۲۲۹
موسیقی کے شرعی احکام۔ ۲۲۹

طلاق کا اختیار۔ ۲۳۲

غلامی کے رُتبے کی بلندی۔ ۲۳۳

تعدّد ازواج۔ ۲۳۶

پردہ کی قانونی حیثیت۔ ۲۳۷

فوٹو اور تصویر کی شرعی حیثیت۔ ۲۳۸

مشروبِ جنّت کو شراب قرار دینا۔ ۲۴۰

حُوروں کی حقیقت۔ ۲۴۲

قربانی کی سنّت ۲۴۲

حضرت داؤد علیہ السلام پر بہتان۔ ۲۴۳

قوی اسناد صحتِ حدیث کا معیار نہیں۔ ۲۴۶

نظامِ ربوبیت پر بودا اعتراض۔ ۲۴۷

اسلام میں شوریٰ کا مقام۔ ۲۴۸

اللہ کی آیات میں الحاد ۲۴۹

۱۳۔ تیرھواں باب

تفہیم القرآن جلد پنجم پر ایک نظر۔ ۲۵۳

غلامی سے متعلق اسلامی قانون۔ ۲۵۳

غلامی کی حرمت والی آیت سے غلامی کا جواز۔ ۲۵۴

کفر و اسلام کی جنگ میں مومن کا رویّہ۔ ۲۵۵

صحابیؓ رسولؐ پر فسق کی تہمت۔ ۲۵۷

ظالم حکمران کے خلاف بغاوت۔ ۲۵۸

امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب غلط مسلک۔ ۲۶۱

اسلامی قانون میں کفو کی حقیقت۔ ۲۶۲

واقعۂ معراج اور رویتِ باری تعالیٰ۔ ۲۶۴

گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ میں فرق۔ ۲۶۵

بغیر محنت کی کمائی یا سرمایہ داری نظام۔ ۲۶۶

حُور کی مزید تفسیر۔ ۲۶۸

دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہو۔ ۲۶۹

مفتوحہ ممالک مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہیں۔ ۲۷۰

مُرتد عورت کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔ ۲۷۱

اسقاطِ حمل اور قتلِ اولاد۔ ۲۷۲

لفظ اُمّی کی مزید تفسیر۔ ۲۷۲

اسلامی ریاست میں خدا اور رسولؐ کے احکام کی
مخالفت واجب القتل جرم ہے۔ ۲۷۳

یکبارگی تین طلاقوں کی ممانعت۔ ۲۷۴

سازشی نکاح کا جواز۔ ۲۷۶

نابالغ لڑکی سے نکاح اور مباشرت کا قرآنی جواز۔ ۲۷۸

۱۴۔ چودھواں باب

ملوکیت اور قرآن۔ ۲۸۱

اسلام کا تصورِ حکومت۔ ۲۸۱

سعودی عرب اور مسئلۂ فلسطین۔ ۲۸۴

غربت کی تصویر۔ ۲۸۵

دورانِ حج رویّہ۔ ۲۸۶

مکّہ شریف کے مکانوں کا کرایہ۔ ۲۸۷

ملوکیت اور شخصی آزادی۔ ۲۸۸

ملوکیت پرستی کی فضاء۔ ۲۸۹

جبر و استبداد کا ماحول۔ ۲۹۰

شاہی دربار میں حاضری۔ ۲۹۳

سعودی عرب کے علماء کا مقام۔ ۲۹۴

لونڈیوں سے بلا نکاح مباشرت۔ ۲۹۵
لونڈی، غلاموں کی خرید و فروخت۔ ۲۹۵
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محکمہ۔ ۲۹۶
ملوکیت اسلامی حکومت بن گئی۔ ۲۹۹
محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اختیارات۔ ۳۰۱

۱۵۔ پندرھواں باب

تفہیم القرآن جلد ششم پر ایک نظر۔ ۳۰۷
حلال و حرام کی حدود مقرر کرنے کا اختیار۔ ۳۰۷
حرام کو حلال قرار دینے کی عملی مثال۔ ۳۰۸
کسی کے راز کے کھوج لگانے کی ممانعت۔ ۳۱۰
اُمّہات المومنینؓ پر زبان درازی کے الزام پر مودودی صاحب کا اصرار۔ ۳۱۲
اللہ تعالیٰ کے آسمان پر ہونے کا مطلب۔ ۳۱۵
مقامِ حدیث اور اس کی صحت کا معیار۔ ۳۱۶
جھوٹی احادیث مودودی صاحب کے سچے موتی ہیں۔ ۳۱۷
نبی اکرمؐ کا مزاج شناس۔ ۳۱۸
جنت میں شراب کی موجودگی پر اصرار۔ ۳۱۹
نذر کی شرعی حیثیت۔ ۳۲۰
کوئی انسان اپنی تقدیر سے بال برابر نہیں ہٹ سکتا۔ ۳۲۱
لیلۃ القدر کے بارے چالیس اقوال۔ ۳۲۲
قرآنِ حکیم میں سرمایہ داروں کی مذمت۔ ۳۲۳
قربانی فرض ہے۔ ۳۲۴
کیا رسولؐ اللہ اپنی ذات کے لئے انتقام لیتے تھے؟ ۳۲۶
رسولؐ اللہ پر جادو کے اثر کا واقعہ۔ ۳۲۷
اسلام میں جھاڑ پھونک کی حقیقت۔ ۳۲۸

۱۶۔ تفسیر تدبرِ قرآن پر ایک نظر ۳۳۱

رہزن اور بٹ مار علماء۔ ۳۳۲

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ ۳۳۲

نظامِ زکوٰۃ اسلام کا مالیاتی نظام ہے۔ ۳۳۶

نبی اُمّی کا مفہوم۔ ۳۳۷

اعتکاف۔ ۳۳۹

قربانی کے شرعی حکم سے لاعلمی۔ ۳۳۹

مُرتد کی سزا۔ ۳۴۱

خاندانی منصوبہ بندی۔ ۳۴۲

سود کو جائز قرار دینے کی کوشش۔ ۳۴۳

فحاشی کی محدود تعریف ۳۴۵

حق مہر۔ ۳۴۶

عورتوں کو مارنے پیٹنے کی اجازت۔ ۳۴۷

اخلاق ۳۴۹

مکّہ شریف کے مکانوں کا کرایہ۔ ۳۴۹

عورتوں کی حکمرانی ۳۵۰

غلامی کے علمبردار مفسّرِ قرآن۔ ۳۵۱

حُوران جنت ۳۵۲

مالِ فَیٔ ۳۵۴

گنڈے اور تعویذ ۳۵۴

تعارف

آج سے تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہے کہ علامہ غلام احمد پرویزؒ نے مجھ سے "احکام القرآن" کے موضوع پر ایک مستند کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ میں نے یہ کام شروع کیا تو ایک موقع پر مودودی صاحب کی تفسیر، تفہیم القرآن کا ذکر آگیا۔ میں نے جب انہیں اس تفسیر کے اصل مآخذ اور اس میں قرآنی احکامات کی تحریف کے بارے میں بتایا، تو پرویز صاحب نے اصرار فرمایا کہ پہلے ان کی تفسیر کا تفصیل سے تنقیدی جائزہ تیار کیا جائے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انہوں نے قرآنی احکامات میں کیا کیا تحریف کی ہے۔ چنانچہ تفہیم القرآن پر ایک مفصل تنقیدی جائزہ تیار کر کے ان کی خدمت میں پیش کیا گیا جو ایک درجن اقساط کی صورت میں ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوا۔

قارئین نے اس جائزے کو بے حد پسند کیا اور اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کے تقاضے موصول ہونے لگے۔ تاہم عدیم الفرصتی کی وجہ سے ان تقاضوں کی فوری طور پر تعمیل نہ ہو سکی۔ اب کچھ فرصت ملی ہے، تو ان اقساط کی نوک پلک سنوار کر انہیں کتابی صورت میں مرتب کر دیا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ کتاب مودودی صاحب کی تفسیر کا تنقیدی جائزہ ہے لیکن جیسا کہ اس کی فہرست مشمولات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا، اس میں اہم قرآنی احکامات کے بارے میں تفصیلی مباحث آ گئے ہیں۔ ان مباحث کا مطالعہ، امید ہے کہ قارئین کی قرآن مجید کے مشکل مقامات سمجھنے میں کافی رہنمائی کرے گا۔

جماعت اسلامی کے ایک دوسرے اہم لیڈر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے بھی قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی۔ اب تو وہ مودودی صاحب پر دشمنِ اسلام کا فتویٰ لگا کر جماعت اسلامی سے علیٰحدہ ہو چکے ہیں، لیکن جب وہ جماعتِ اسلامی کے تنخواہ دار ملازم تھے، تو انہوں نے مودودی صاحب کو "مزاج شناسِ رسولؐ" کے خطاب سے نوازا تھا۔ جب تک وہ جماعتِ اسلامی سے منسلک رہے تو جماعت کے لوگ، انہیں مودودی صاحب سے بھی بڑا مفسرِ قرآن قرار دیتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے جماعت اسلامی سے علیٰحدگی اختیار کی، تو ان کی تفسیر کو مودودی صاحب کی تفسیر کی کاربن کاپی قرار دے دیا گیا۔ اور

حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ مودودی صاحب کی تفسیر کا تنقیدی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اصلاحی صاحب کی تفسیر پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے، جس سے قارئین کے سامنے یہ تلخ حقیقت آ جائے گی کہ ان دونوں حضرات نے کس دیدہ دلیری سے احکام القرآن میں تحریف کی ہے!

لاہور

۶ مارچ ۱۹۹۱ء

(پروفیسر) رفیع اللہ شہاب

پہلا باب

مودودی صاحب کی تفسیر کا اصل ماخذ

تفہیم القرآن کی پہلی جلد کی اشاعت

تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ میں اپنے استاد کے ساتھ جماعتِ اسلامی میانوالی کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ مولوی گلزار احمد مظاہری صاحب، امیر جماعتِ اسلامی ضلع میانوالی، لاہور سے تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کی پہلی جلد تھی جو انہی دنوں طبع ہوئی تھی۔ انہوں نے وہ تفسیر استاد مکرم، جو ان کے دوست تھے، کو دکھائی۔ استاد مکرم نے قرآن مجید کی پہلی آیت یعنی بسم اللہ شریف کی تفسیر دیکھنے کے بعد افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ مودودی صاحب میں عربی زبان کے ذوق کی کمی ہے۔ اور انہوں نے اُردو محاورے کے شوق میں قرآنِ مجید کی پہلی آیت کی تفسیر میں قرآن مجید کی ایک نہایت ہی خوبصورت اصطلاح کا جھٹکا کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دعویٰ کیا کہ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن لکھتے وقت عربی زبان کی مستند تفاسیر کو سامنے نہیں رکھا بلکہ زیادہ تر اُردو میں ڈپٹی نذیر احمد کی تفسیر، غرائب القرآن سے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے قرآنِ مجید کا بلاشبہ ایک بامحاورہ ترجمہ کیا ہے، لیکن محاورے کے استعمال کے شوق میں بعض عربی الفاظ کا غلط ترجمہ کر گئے ہیں۔

اس اعتراض کی تائید میں استاد مکرم نے تفہیم القرآن جلد اول سے "الرحمٰن اور الرحیم" کی یہ تفسیر پڑھ کر سنائی:-

> "انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ اہم ہوتی ہے، تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک،

مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں "رحمٰن" کا لفظ استعمال کرنے کے بعد، پھر "رحیم" کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ "رحمان" عربی زبان میں بڑے مبالغے کا صیغہ ہے۔ لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی، اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کیلئے پھر "رحیم" کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں سخی کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر چٹّے کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازیٔ قد کے ذکر میں "لمبا" کہنے سے تسلّی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں"۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۴۴ ایڈیشن انیسواں نومبر ۱۹۸۱ء)

اس عبارت کو سُنانے کے بعد اُستاد صاحب نے واضح کیا کہ "تڑنگا" ایک بالکل ہی مہمل لفظ ہے، جس کے اپنے تو کوئی معنی نہیں ہوتے۔ جب کہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک بھی مہمل لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ قرآنی اصطلاح "الرحیم" مودودی صاحب جس کی تفسیر تڑنگا جیسے بے معنی لفظ سے کر رہے ہیں اپنے اندر شاندار مفہوم رکھتی ہے۔ پھر انہوں نے الرحمٰن اور الرحیم کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عربی زبان میں جو الفاظ "رحمٰن" کے وزن پر ہوتے ہیں جیسے غضبان (غصّے والا)، عطشان (پیاسا) تو جس شخص کیلئے ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ان میں یہ صفت ایک خاص مقررہ وقت کے لئے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک خاص وقت کے بعد اس کا غصّہ ختم ہو جاتا یا اس کی پیاس جاتی رہتی ہے۔ اس تشریح کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت وقتی بھی ہوتی ہے اور مستقل اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ جو الفاظ "رحیم" کے وزن پر ہوتے ہیں ان میں وہ صفت مستقل اور ہمیشہ کے لئے پائی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ رحمٰن اور رحیم کی صفاتِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنگامی طور پر بھی اپنے بندوں پر اپنی رحمت نازل کرتا رہتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھی۔

اُستادِ مکرم نے تفہیم القرآن کے اس پیرے میں صرف اُردو زبان کی دس غلطیوں کی نشاندہی کر دی تھی ۔ اس وقت ان کی تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے ' تاہم وہ غلطیاں تفہیم القرآن کے اس انیسویں ایڈیشن میں بھی موجود ہیں ' جہاں سے مذکورہ بالا پیرہ نقل کیا گیا ہے ۔

تفسیر غرائب القرآن

استاد مکرم نے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی تفسیر غرائب القرآن کا مطالعہ کر رکھا تھا ۔ انہوں نے جب بڑے اصرار کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ مودودی صاحب نے بہت کچھ اس تفسیر سے نقل کیا ہے ' تو مجھے اس تفسیر کے دیکھنے کی خواہش ہوئی ۔ ان دنوں میں دفتر جماعتِ اسلامی میانوالی میں دارالمطالعے کے ناظم کے طور پر کام کیا کرتا تھا ۔ وہاں پر علماء حضرات تشریف لاتے رہتے تھے ۔ لیکن جب ان سے اس تفسیر کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتے ۔ اسی دوران جماعتِ اسلامی پاکستان کے امیر سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کو میانوالی جیل منتقل کیا گیا ۔ وہ جیل میں اپنی تفسیر تفہیم القرآن کی تکمیل کر رہے تھے ۔ اس مقصد کیلئے انہیں جیل پہنچانے کیلئے تفاسیر کی جو پیٹی لاہور سے میانوالی بھیجی گئی تھی تو میری یہ ذمہ داری قرار پائی تھی کہ وہ کتابیں ان تک پہنچاؤں ۔ کتابوں سے محبت کی وجہ سے میں نے اس پیٹی کو کھول کر سب کتابوں کو دیکھا تو اس میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی تفسیر غرائب القرآن بھی موجود تھی ۔ میں نے ساری رات اس نایاب تفسیر کا مطالعہ کیا کیونکہ دوسرے دن کتابوں کی پیٹی مودودی صاحب تک پہنچانی تھی ۔ افسوس ہے کہ ان دنوں فوٹو سٹیٹ کی سہولتیں میسر نہیں تھیں ' اس لئے اس کی نقل حاصل نہ کی جا سکی ' لیکن اس سے مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ اکثر علماء کے پاس یہ تفسیر موجود ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں لیکن بوجوہ اسے عوام تک نہیں پہنچنے دیتے ۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مجھے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے لاہور آنا پڑا ۔ لاہور کی مختلف لائبریریوں اور کتب خانوں سے ڈپٹی صاحب کی تفسیر غرائب القرآن تلاش کی ۔ یہ تفسیر تو کہیں سے نہ مل سکی ' تاہم اس سے بھی ایک عمدہ تفسیر جو سید احمد خان کی لکھی

ہوئی تھی ' اللہ والے کی قومی دوکان سے مل گئی ۔ تاج کمپنی نے تفسیر غرائب القرآن سے قرآن مجید کا ترجمہ تو شائع کر دیا تھا ' لیکن اس تفسیر کی اصل چیز اس کی عربی لغت کا حل اور عربی گرائمر کے بارے میں تفسیری نوٹ تھے ۔ ان کے علاوہ کئی شاندار تفسیری نکات بھی تھے ' جنہیں تاج کمپنی نے اپنے ترجمہ والے ایڈیشن سے حذف کر دیا تھا ۔ ساتھ ہی ترجمے میں بھی کچھ تبدیلی کی گئی تھی ' اس لئے وہ اصل ترجمہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

میں ایک دن اپنے ساتھی طلباء کی ایک جماعت لئے جن کا تعلق اسلامی جمعیت طلباء سے تھا مودودی صاحب سے ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ یہاں عرض کرتا چلوں کہ ان دنوں میں اسلامی جمعیت طلباء لاہور کے اجلاسوں میں درسِ قرآن دیا کرتا تھا ۔ باتوں باتوں میں بندہ نے مودودی صاحب سے تفسیر غرائب القرآن کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ وہ اس کے حصول میں میری مدد فرمائیں ۔ انہوں نے فرمایا کہ اس پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ بعض اہلِ علم کو تفہیم القرآن میں تفسیر غرائب القرآن کی جھلک دکھائی دیتی ہے ۔ اس پر مودودی صاحب تو خاموش ہو گئے ' لیکن میرے جمعیت کے ساتھیوں نے میری اس جسارت کو ناپسند کیا ۔ لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ مودودی صاحب کو یہ تفسیر میں خود میانوالی جیل پہنچا چکا تھا۔

تفسیر غرائب القرآن کا مصنف

بعد میں یہ تفسیر مجھے لاہور کے اہلِ علم گھرانے سے مل گئی ۔ جسے ایڈٹ کر کے میں نے اب اسے دوبارہ شائع کروا دیا ہے ۔ آگے کچھ بیان کرنے سے پہلے اس تفسیر کے مصنف ڈپٹی نذیر احمد صاحب ' جو برِّصغیر ہندو پاکستان کے ایک نامور صاحبِ طرز ادیب تھے ' کا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب آج سے پورے ڈیڑھ سو سال پہلے ۱۸۳۶ء میں موجودہ ہندوستان کے ضلع بجنور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دہلی کالج میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ لیا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد صوبہ پنجاب کے انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے ۔ خیال رہے کہ اس زمانے میں سارے صوبے میں صرف ایک انسپکٹر ہوا کرتا تھا ۔ انہوں نے مسلمان خواتین کی اصلاح و ترقی کیلئے چند کتابیں لکھیں تو اہل علم ان کے زورِ بیان پر عش عش کر اُٹھے ۔

چونکہ آپ عربی زبان کے بھی عالم تھے اس لئے مسلمان اہلِ علم نے آپ سے بجا طور پر یہ مطالبہ کیا کہ وہ قرآن مجید کا ایک بامحاورہ اُردو ترجمہ کریں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب جو کام بھی کرتے تھے، بڑے انہماک سے کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی حامی بھرلی تو محسوس کیا کہ قرآن مجید کے اُردو ترجمے سے انصاف کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو بھی حفظ کریں۔ چنانچہ اتنے بڑے افسر ہونے کے باوجود انہوں نے پہلے قرآنِ مجید کو حفظ کیا اور اس کے بعد اس کا ترجمہ شروع کیا۔ اس ترجمے کی دھوم مچی تو حکومت نے بھی تعزیراتِ ہند کے ترجمے کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں۔ ان کا ترجمہ اتنا معیاری تھا کہ حکومت سمیت تمام قانون دانوں نے اسے پسند کیا اور ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ عملاً عدالتوں میں متداول ہے۔

انگلستان کے علمی حلقوں نے بھی ان کے اس ترجمے کی داد دی اور ان کی اس خدمت کے اعتراف کے طور پر وہاں کی مشہور ایڈنبرا یونیورسٹی نے ڈپٹی صاحب کو ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری بھی عطا کی۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے انہیں شعبہ تعلیم سے تبدیل کرکے ڈپٹی کلکٹر بنا دیا جو اس وقت کسی ہندوستانی کیلئے بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں اسی کے حوالے سے وہ ڈپٹی نذیر احمد کے نام سے مشہور ہوئے۔ ڈپٹی صاحب اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کے سپرد جو بھی کام کیا جاتا تھا، وہ اسے نہایت احسن طریقے سے پورا کیا کرتے تھے۔ حیدر آباد دکن، اس وقت برِصغیر ہندو پاکستان میں سب سے بڑی اسلامی ریاست تھی۔ جب وہاں کے حکمران نظام دکن کو ڈپٹی صاحب کی اعلیٰ صلاحیتوں کا علم ہوا، تو انہوں نے حکومت ہند سے ان کی خدمات حاصل کرکے، انہیں اپنی ریاست کا وزیر مال بنا دیا۔ ان انتظامی عہدوں کے ساتھ ساتھ، ڈپٹی صاحب نے قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کا کام بھی جاری رکھا۔ جب ان کی تفسیر پہلے پہل شائع ہوئی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ چنانچہ مختلف سائز کے اس کے مختلف ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کا عربی متن ایک صفحہ پر ہے اور اس کا اُردو ترجمہ دوسرے صفحہ پر اس طرح دیا گیا ہے کہ وہ ایک مربوط مضمون دکھائی دیتا ہے۔ تاہم

مفہوم میں ربط پیدا کرنے کیلئے انہوں نے جن چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے انہیں بریکٹوں میں دے دیا گیا ہے ' تاکہ اصل متن کے ساتھ کوئی التباس پیدا نہ ہو۔ عربی متن کے صفحہ پر عربی لغت اور عربی گرائمر سے مفید بحثیں نقل کی گئی ہیں اور انہیں ایسی سلیس زبان میں پیش کیا گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی انہیں آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اُردو ترجمے والے صفحات پر تفسیری نوٹ دیئے گئے ہیں ' جو مختصر ہونے کے باوجود اتنے جامع ہیں کہ بڑی بڑی تفسیروں کے مطالعہ سے اتنا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ترجمے اور تفسیر کی اس خصوصیت کی وجہ سے میں نے تفسیر غرائب القرآن کو دوبارہ شائع کرا دیا ہے ' تاکہ اہلِ علم کو معلوم ہو سکے کہ ہمارے کن کن مفسروں نے اس سے نقل کیا ہے ' جس کا انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید اب یہ تفسیر نایاب ہو چکی ہے اور کسی کے پاس نہیں ہو گی۔

تفسیر غرائب القرآن پر اعتراضات

اس تفسیر میں کچھ غلطیاں بھی تھیں اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ اس تفسیر سے نقل کرنے والوں نے ان غلطیوں کو بھی صحیح تفسیر سمجھ کر نقل کر لیا۔ اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ ان کی جن اغلاط کی نشاندہی کی گئی ' موجودہ دور کے سب علماء اسے صحیح تسلیم کرنے لگے ہیں۔ ڈپٹی صاحب کی تفسیر غرائب القرآن کی پنجاب ' دہلی اور حیدر آباد کے علماء نے تو بڑی تعریف کی تھی ' البتہ کلکتہ کے بعض علماء نے اس پر اعتراضات کئے جو ایک کتابچے کی صورت میں شائع کئے گئے تھے ' جس کا عنوان تھا " اصلاح ترجمہ دہلویہ "۔ اس کتابچے میں تفسیر غرائب القرآن پر جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں ' ان کا تعلق کسی اہم مسئلہ سے نہیں تھا ' بلکہ فروعات سے تھا۔ ایسی اغلاط سب تفاسیر میں پائی جاتی ہیں۔ ان اعتراضات میں سے سب سے بڑا اعتراض سورت البقرہ کی آیت ۱۸۴ **وان تصوموا خیر لکم** کے تفسیری نوٹ پر کرتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب کا تفسیری نوٹ یہ ہے:۔

" مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کو فرضی روزہ رکھنا چاہئے ' مگر بیمار اور مسافر کو رخصت ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھے ' بعد کو قضاء کر لے۔ اور مقدور والا ہو تو قضا بھی رکھے بلکہ ہر روزے کے پیچھے ایک محتاج کا پیٹ بھی بھر دے ' تو

نورٌ علیٰ نورٌ کہ روزہ کے بدلے روزہ ہوا اور فضیلت رمضان جو فوت ہو گئی تھی' اس کی تلافی کے لئے محتاج کا پیٹ بھر دیا۔ اگر چہ بیماری اور سفر کی حالت میں' مقدور والوں کو' قضاء کے بدلے' فدیہ دینے کا اختیار دیا گیا ہے' مگر ان کے لئے بھی روزہ قضاء کا رکھنا اولیٰ ہے۔ تاکہ لوگ روزے سے بچنے کے بہانے نہ ڈھونڈیں" (تفسیر صفحہ ۵۱)۔

اس تفسیر میں کوئی بات اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں۔ لیکن تفسیر غرائب القرآن پر اعتراض کرنے والے علماء حضرات نے فرمایا کہ "یہ آیت باجماع علمائے مجتہدین اُمّت یا منسوخ ہے یا مؤوّل۔ یہ کسی کا مذہب ثابت نہیں کہ ظاہر معنی پر محمول کر کے اس کا حکم باقی رکھا جائے جیسا کہ مترجم صاحب نے فرمایا ہے۔ چونکہ اجماع' حجت قطعیہ ہے اس لئے اس کی مخالفت حرام و بدعت ہے اور ہرگز اس تفسیری حاشیے پر عمل کرنا جائز نہیں۔ حالت سفر یا مرض میں جو روزہ ناغہ ہو گا' حالت قیام و صحت میں اس کی قضاء رکھنا فرض ہے۔ بجائے روزہ کے محتاج کا پیٹ بھر دینا ہرگز کافی اور درست نہیں۔ اس مقام پر ضروریاتِ دین اور مذہبی احکام میں دست درازی کی گئی ہے جس سے توبہ کرنا فرض ہے۔ (اصلاح ترجمہ دہلویہ مطبوعہ کلکتہ مصنّف نامعلوم صفحہ ۴)

عقیدہ ناسخ و منسوخ

یہ اس کتابچے کا سب سے زیادہ سخت اعتراض تھا۔ لیکن قارئین جانتے ہیں کہ آج بہت سے روشن خیال علماء اس آیت کی وہی تفسیر بیان کر رہے ہیں جو ایک صدی پیشتر ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے کی تھی۔ جہاں تک معترض صاحب کے اس بیان کا تعلق ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' تو آج علمی تحقیق سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا' قرآنِ مجید کی محکمیت کے خلاف ہے۔ محققین نے آج علمی تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ قرآنی آیات کو منسوخ ماننے کا عقیدہ دشمنانِ اسلام کی سازش تھی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر آج سے ایک ہزار سال پہلے' مصر کے دو علماء نے لکھا تھا۔ اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان میں ایک اندھا تھا اور دوسرا پاگل اور پاگل بھی ایسا کہ پاگل پن کے غلبے کے نتیجے میں دریائے نیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی۔

قرآنِ مجید کے خلاف اس سازش کا جواب اسی وقت مشہور مفسر قرآن امام ابو مسلم اصفہانی کی طرف سے دے دیا گیا۔ انہوں نے خود قرآن و حدیث سے ثابت کیا تھا کہ قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان کی تفسیر کو تو بعد کی نسلوں تک نہ پہنچنے دیا گیا، جبکہ قرآن کے خلاف سازشیں کرنے والوں کی کتابیں، بمن و عن آئندہ نسلوں تک پہنچ گئیں۔ ملتان کے ایک عالم دین، علامہ رحمت اللہ طارق نے اس خاص موضوع پر ایک مبسوط کتاب "تفسیر منسوخ القرآن" کے نام سے لکھی ہے، جس میں انہوں نے قرآنِ مجید کے خلاف اس سازش کو بے نقاب کر کے قرآنِ مجید اور احادیث سے ثابت کیا ہے کہ قرآنِ مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ اور یہ نظریہ قرآنِ مجید کی محکمیت کو مشکوک بنانے کیلئے وضع کیا گیا تھا۔

طلاقِ بدعت

معترض کا دوسرا اہم اعتراض مسئلہ طلاق کے بارے میں ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۲۷ **وان عزموا الطلاق** کے بارے میں یہ تفسیری نوٹ دیا ہے:-

"قسم کے سلسلے میں ایک خاص طرح کی قسم کا تذکرہ فرمایا ہے، جس کو اصطلاح شرح میں ایلاء کہتے ہیں کہ مرد نے عورت کے پاس جانے کی قسم کھالی۔ تو اس کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد یا رجوع کرے یا چار و ناچار طلاق دے" (صفحہ ۶۷)

معترض صاحب اس پر اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ مذہب حنفی کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک، چار ماہ گزرنے پر خود بخود طلاق واقع ہو جاتی ہے، رجعت کا حق کہاں۔" (اعتراضات صفحہ ۵)

دراصل بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر بعد کے حنفی علماء نے طلاق بدعت یعنی ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے دینے کو طلاق کا واحد طریقہ سمجھ لیا۔ حالانکہ طلاق کا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ڈپٹی صاحب نے ایلاء والی طلاق کے بارے میں قرآن مجید کا نقطۂ نظر ٹھیک بیان کیا تھا لیکن معترض صاحب پر چونکہ طلاقِ بدعت سوار تھی، اس لئے انہوں نے واضح قرآنی تعلیمات کی مخالفت کرنے سے بھی گریز

نہیں کیا۔ ان کی اس مخالفت کی وضاحت اگلی آیت کی تفسیر سے ہو جاتی ہے۔ یہ آیت **الطلاق مرتان** ہے، جس کا ترجمہ ڈپٹی صاحب نے یہ کیا ہے:۔

"طلاق" جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے، وہ دو ہی طلاقیں ہیں، جو دو دفعہ کر کے دی جاتی ہیں (صفحہ ۶۵) تیسری طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں رہتی، اور میاں بیوی میں علیٰحدگی ہو جاتی ہے"۔

قرآنِ مجید کی تعلیمات کے مطابق، مسئلہ طلاق کی صحیح اور سادہ صورت یہی ہے، لیکن معترض صاحب حنفی فقہ کے حوالے سے اس سادہ مسئلہ کو یوں الجھاتے ہیں:۔

"دو طلاق کے بعد عدّت کی مدت کے اندر رجوع مطلقاً جائز ہے خواہ وہ طلاق یکبارگی واقع کی جائیں یا متفرق۔ پس یہ جو قید (کہ طلاق دو دفعہ دی جائے) جو مترجم نے لگائی ہے، صحیح نہیں ہے اور مرتان بمعنی اثنان ہے اور اگر مرتان اپنے ظاہری معنے پر رکھا جائے تو اس کا مدلول یہ نہیں ہے کہ اگر تفریق نہ ہو، تو رجعت جائز نہیں، جیسا کہ ترجمہ میں لفظ حصر سے مستفاد ہے کہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ بلکہ بعض علماء نے تو عدم تفریق کی صورت میں اس کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ قول صحیح نہیں ہے، مگر یہ قول کسی کا نہیں کہ اگر دفعتاً دو طلاق دی جائیں تو رجعت جائز نہیں، بلکہ مرتان کے اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ تفریق مستحب ہے، باقی حکم رجعت میں جمع اور تفریق دونوں برابر ہیں اور اگر بہ تکلیف بعید یہ تاویل کی جائے تو وہ طلاقیں جب ہی دو ہونگی، جب بتفریق دی جائیں، ورنہ ایک ہو گی۔ اول تو عبارت کا ترجمہ اس مطلب کے لئے کافی نہیں دوسرے یہ مذہب بھی صحیح نہیں جیسا کہ ابھی عرض ہوا"(اعتراضات صفحہ ۵)

معترض علماء حضرات، اپنے آپ کو حنفی فقہ کی اتھارٹی قرار دیتے تھے لیکن قارئین نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ انہوں نے کس طرح ایک سادہ سے مسئلہ کو اُلجھا دیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت ہی سادہ الفاظ میں مختصراً بیان کر دیا ہے، جسے ایک عام لکھا پڑھا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں، علماء حضرات نے جو اعتراضات کئے ہیں انہیں خود بہت سے علماء بھی نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن کی تالیف میں تفسیر غرائب القرآن سے خوب خوب

فائدہ اٹھایا۔ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جو ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے آج سے ایک سو سال پہلے اس خوبصورتی سے بیان کئے ہیں کہ بعض اوقات یہ گمان گزرتا ہے کہ ابھی کل ہی کوئی ان مسائل کو بیان کر رہا ہے۔

انسان اللہ کا خلیفہ نہیں ہے

تفسیر غرائب القرآن پر علماء حضرات نے جو اعتراضات کئے تھے ان میں کوئی جان نہیں تھی۔ میں نے تفسیر غرائب القرآن کے نئے ایڈیشن کے دیباچے میں ان تمام اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ تاہم ڈپٹی صاحب کی تفسیر غرائب القرآن میں کچھ غلطیاں تھیں۔ مودودی صاحب ان غلطیوں کو بھی اپنی علمی تحقیق کے طور پر پیش کر گئے ہیں۔ مثلاً تفسیر غرائب القرآن میں سورۃ البقرہ کی آیت **واذ قال ربک للملائکۃ ...** کا ترجمہ یوں کیا ہے:-

"جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر (اپنا ایک نائب) بنانے والا ہوں۔" (صفحہ ۱۱)

ڈپٹی صاحب کے بعد مودودی صاحب سمیت جتنے علماء نے بھی قرآن مجید کا اُردو ترجمہ کیا ہے، ان سب نے اس غلط ترجمے کو اپنایا ہے۔ حالانکہ یہ ترجمہ قرآنی تعلیمات اور عربی زبان کے قواعد کے مطابق صرف غلط ہی نہیں، بلکہ امام بن تیمیہ کے مطابق، شریعتِ اسلامی میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ علامہ الماوردی نے اپنی مشہور کتاب احکام السلطانیہ میں امت مسلمہ کے تمام ائمہ کا اس امر پر اتفاق نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے، اسے اپنی نمائندگی کیلئے کہیں بھی کسی نائب کی ضرورت نہیں۔ نائب یا خلیفہ تو اس کا ہوتا ہے جو کسی جگہ سے غائب ہو یا مر جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے، وہ ہر جگہ ہر وقت موجود ہے۔ چنانچہ اس تشریح کی روشنی میں انہوں نے علمائے اسلام کا یہ متفقہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ جو مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے وہ فاسق و فاجر ہے (احکام السلطانیہ صفحہ ۱۵) امام ابن تیمیہ نے جیسا کہ اشارتاً بتایا جا چکا ہے، اسے شرک قرار دیا ہے اور شرک شریعتِ اسلامی میں سب سے بڑا گناہ ہے (فتاویٰ الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۵۵۳)

عورتوں کو پیٹنے کی اجازت نہیں

تفسیر غرائب القرآن میں دوسری غلطی سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کے ٹکڑے **واضربوھن** کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس آیت میں عورتوں کے بارے میں حکم ہے کہ جن عورتوں سے تمہیں جھگڑے کا خدشہ ہے تو پہلے انہیں سمجھاؤ۔ پھر ان کے بستر الگ کر دو' اگر اس پر بھی ٹھیک نہ ہوں' تو انہیں مارو"

ڈپٹی صاحب نے یہاں **واضربوھن** کا ترجمہ کیا ہے ان کے ساتھ مار پیٹ سے پیش آؤ۔ اب عورتیں سوال کر سکتی ہیں کہ اگر مردوں کو یہ اجازت ہے کہ جھگڑے کے بہانے وہ عورتوں کو ماریں پیٹیں تو کیا عورتوں کو بھی شریعتِ اسلامی ایسی اجازت دیتی ہے۔ ڈپٹی صاحب کے وقت تو عربی زبان کی بڑی بڑی لغات آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں' لیکن اب تو یہ آسانی سے دستیاب ہیں۔ لیکن مودودی صاحب سمیت تمام علماء حضرات جنہوں نے غرائب القرآن کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے' نے اس غلط ترجمے کو من و عن اختیار کر لیا ہے۔ حالانکہ اگر وہ عربی زبان کی کوئی مستند لغت بھی دیکھ لیتے ، تو انہیں اس کا صحیح مطلب معلوم ہو جاتا۔

عربی زبان کی مشہور لغت تاج العروس میں لفظ ضرب بمعنی مارنا کے متعدد معانی بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب یہ لفظ قانونی مسائل کے حوالے سے استعمال کیا جائے تو پھر اس کے معنی مارنے پیٹنے کے نہیں ہوتے' بلکہ کسی چیز کو روکنے کے ہوتے ہیں مثلاً **ضرب القاضی علی یدہ** قاضی نے اس کے ہاتھ پر مارا یعنی اسے بند کر دیا یا روک دیا۔ یہاں عورتوں کیلئے جس سزا کا ذکر کیا جا رہا ہے' وہ یہ ہے کہ "اگر وہ اصلاح قبول نہ کریں تو انہیں گھروں میں روک لو یا بند کر دو۔" خیال رہے کہ عام حالات، میں مسلمان عورتوں کو مسلمان مردوں کی طرح گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت ہے' تاہم شریعتِ اسلامی کا ان دونوں کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ آمنے سامنے آتے وقت اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

مختصراً یہ کہ تفسیر غرائب القرآن اگرچہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی' لیکن اس کے

باوجود اس کی زبان ابھی تک تر و تازہ ہے ۔ ان کی تفسیر پر اس وقت علماء حضرات نے جو اعتراضات کئے تھے ' اب ان مسائل کو وہ خود علمی تحقیق کے طور پر پیش کر رہے ہیں ۔ تاہم تفسیر غرائب القرآن سے استفادہ کرتے وقت ان حضرات نے بعض الفاظ و اصطلاحات کی تحقیق کی کوشش نہ کی ' جس کی وجہ سے وہ ان کی ایسی غلطیوں کو بھی نقل کرتے چلے گئے کہ جن سے کفر و شرک لازم آتا ہے ۔ جیسا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تسلیم کرنا اور جس کی تفصیلات سابقہ سطور میں گزر چکی ہیں ۔

دوسرا باب

مودودی صاحب کی تفسیر کو مقبول بنانے کے لیے علماء کی تذلیل

مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کی اشاعت سے کچھ عرصہ پہلے مودودی صاحب کی جانب سے علماء حضرات کے خلاف یہ مہم چلائی گئی کہ نہ تو ان میں کوئی پڑھا لکھا فرد ہے اور نہ ہی انہیں قرآنِ مجید کی سمجھ ہے۔ جب خود انہیں قرآنِ مجید سمجھ نہیں آتا تو وہ دوسروں کے سامنے اس کی تفسیر کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی تفسیر تو مودودی صاحب نے بھی کی ہے، جو قرآنی فکر کے ساتھ ساتھ جدید زمانے کے تقاضوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ ان کی قرآنی فکر کی جھلکیاں تو آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی، پہلے یہ دیکھئے کہ انہوں نے اپنی تفسیر کو مقبولِ عام بنانے کیلئے علماء حضرات کو کس طرح عوام کی نظروں سے گرانے کی بھرپور کوشش کی۔

مسلمانوں کی تمام جماعتیں جنسِ کاسد ہیں

مولانا مودودی صاحب جس وقت سیاسی میدان میں اترے، تو بدقسمتی سے قوم کی سربراہی کی تمام نشستیں پُر ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی برتری کا سکّہ جمانے کے لئے اس وقت کی مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو جنسِ کاسد قرار دے دیا۔ یہ "تاریخی فیصلہ" انہی کی زبانی سنئے۔ انہوں نے تحریر فرمایا:۔

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں، اگر فی الواقعہ اسلام کے معیار پر ان کے نظریات اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنسِ کاسد نکلیں گی، خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیانِ شرعِ مبین۔ دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریہ اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں راہِ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔" (ترجمان القرآن جلد ۱۷ عدد ۶ صفحہ ۴۹۲/۸۴)

اس جنسِ کاسد کی تھوڑی سی تفصیل انہی کی زبان سے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

جُبّوں اور عماموں میں سیاہ دل

"پھر جو لوگ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اُٹھتے ہیں' ان کی زندگی میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی۔ کہیں مکمل فرنگیت ہے' کہیں نمرود اور گاندھی کا اتباع ہے۔ کہیں جُبّوں اور عماموں میں سیاہ دل اور گندے اخلاق لپٹے ہوئے ہیں۔ زبان سے وعظ اور عمل میں بدکاریاں۔ ظاہر میں خدمتِ دین اور باطن میں خباثتیں اور عداریاں اور نفسانی اغراض کی بندگیاں۔ جمہور مسلمان بڑی بڑی امیدیں لے کر ہر نئی تحریک کی طرف دوڑتے ہیں' مگر مقاصد کی پستیاں اور عمل کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔"

(تحریک آزادئ ہند اور مسلمان۔ از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی۔ صفحہ ۱۰۳)

علماء اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں

لیکن اتنی سی بات کہہ دینے سے سربراہی کی کُرسی تھوڑے مل جاتی ہے؟ اس کے لئے مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کو دیگر جماعتوں میں کیڑے ڈالنے کے لئے پوری طاقت سے جنگ کرنا پڑی۔ یہ جنگ علماء کے کسی ایک گروہ کے خلاف نہ تھی بلکہ ان کی ہر جماعت اس حملہ کی زَد میں تھی۔ پہلے یہ ملاحظہ فرمایئے کہ ساری اسلامی دنیا کے علماء کے بارے میں جماعت اسلامی کی کیا رائے تھی۔ بات یوں ہوئی کہ علامہ موسیٰ جار اللہ (مرحوم) نے جماعت اسلامی والوں کو علمائے ہند کے بارے میں ایک مراسلہ بھیجا جو "ترجمان القرآن" میں چھپا۔ اس مراسلے کے نیچے مودودی صاحب کی طرف سے یہ نوٹ دیا گیا تھا:۔

"علامہ نے ان سطور میں علمائے ہند کی نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کا حرف حرف صحیح ہے' بلکہ اس سے زیادہ ملامت و تحقیر کے وہ سزاوار ہیں۔ لیکن نہایت ادب کے ساتھ ہم اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ ان جرائم کے مجرم تنہا ہندوستان ہی کے علماء نہیں ہیں بلکہ اس باب میں تمام عالمِ اسلامی کے علماء کا حال یکساں ہے۔ ہر جگہ کے مدارس میں قرآن متروک و مہجور ہے۔ ہر جگہ اس گروہ میں انانیت' کبر' خود پرستی

کی وہی بیماریاں ہیں جو علامہ کو یہاں کے علماء میں نظر آ رہی ہیں۔ علم و تحقیق کی خواہش اور اس کی قدر و حق شناسی بھی ہر جگہ مفقود و معدوم ہے۔ اور تبادلۂ افکار اور تعاونِ آراء کے ذریعے رفع نزاع اور تحقیق کی تمنا جو علامہ نے ظاہر فرمائی ہے' اس کا بھی کہیں سراغ نہیں لگتا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ کے علماء اپنے انجام کو پہنچ گئے اور قدرت کی طرف سے ان جرائم کی جو سزا مقرر تھی وہ ان کو مل چکی۔" (ترجمان القرآن۔ جنوری' فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۷۷)۔

صدیوں کے جمود کا نقصان

علماء کے جمود کی وجہ سے اُمّت کو جو نقصان اُٹھانا پڑا' اس کی نشاندہی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"آج تمام دنیائے اسلام اسی خوفناک انقلاب کے دور سے گزر رہی ہے۔ درحقیقت یہ علماء کا کام تھا کہ جب اس انقلاب کی ابتداء ہو رہی تھی اس وقت وہ بیدار ہوتے' آنے والی تہذیب کے اصول و مبادی سمجھتے' مغربی ممالک کا سفر کر کے ان علوم کا مطالعہ کرتے جن کی بنیاد پر یہ (مغربی) تہذیب اُٹھی ہے۔ اجتہاد کی قوت سے کام لے کر ان کارآمد علمی اکتشافات اور عملی طریقوں کو اخذ کر لیتے جن کے بل پر مغربی قوموں نے ترقی کی ہے اور ان نئے کل پرزوں کو اصولِ اسلام کے ماتحت مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور ان کی تمدنی زندگی کی مشین میں اس طرح نصب کر دیتے کہ صدیوں کے جمود سے جو نقصان پہنچا تھا' اس کی تلافی ہو جاتی اور اسلام کی گاڑی پھر سے زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے لگتی۔ مگر افسوس کہ علماء (اِلّا ماشاء اللہ) خود اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہو چکے تھے۔ ان میں اجتہاد کی قوت نہ تھی۔ ان میں تفقّہ نہ تھا۔ ان میں حکمت نہ تھی۔ ان میں عمل کی طاقت نہ تھی۔ ان میں یہ صلاحیت ہی نہ تھی کہ خدا کی کتاب اور رسولؐ خدا کی علمی و عملی ہدایت سے اسلام کے دائمی اور لچکدار اصول اخذ کرتے اور زمانہ کے متغیّر حالات میں ان سے کام لیتے۔ ان پر تو اسلاف کی اندھی اور جامد تقلید کا مرض پوری طرح مسلّط ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کو ان کتابوں[۲] میں تلاش کرتے تھے جو خدا کی کتابیں نہ تھیں کہ زمانہ کی قیود سے بالاتر ہوتیں۔ وہ ہر معاملہ میں ان انسانوں[۳]

کی طرف رجوع کرتے تھے جو خدا کے نبی نہ تھے۔ کہ ان کی بصیرت اوقات و حالات کی بندشوں سے بالکل آزاد ہوتی۔"

(تنقیحات۔ از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب صفحہ ۲۷)

پروفیسر مولانا عبدالستار خیری

واضح رہے کہ ان سطور کی تحریر کے زمانے میں مودودی صاحب زیادہ نہیں تو کسی حد تک پروفیسر عبدالستار خیری کے ان خیالات سے متأثر تھے جن کا انہوں نے جرمنی میں تکمیلِ تعلیم کے بعد ہندوستان میں آکر اظہار کیا تھا۔ انہوں نے جرمنی سے واپسی کے بعد اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر جو خیری برادرس کے نام سے مشہور تھے، دہلی میں "جماعتِ اسلامی" کی بنیاد ڈالی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی (مرحوم) نے مولانا مسعود عالم ندوی (مرحوم) کی کسی کتاب (غالباً "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک پر ایک نظر") کے دیباچہ میں یہ انکشافات فرمائے تھے کہ پروفیسر عبدالستار خیری جرمنی میں سوشلزم کی تحریک سے متأثر ہو کر آئے تھے۔ بہرحال انہوں نے جس "جماعت اسلامی" کی بنیاد ڈالی تھی مودودی صاحب بھی اس میں شریک تھے۔ لیکن موجودہ جماعت اسلامی والوں کا کہنا ہے کہ مودودی صاحب ان کے نظریہ "وحدت آمریت" سے اتفاق نہ کر سکے، اس لئے جلد ہی علیٰحدہ ہو گئے۔ اور بعد میں مناسب وقت پر اپنی "جماعت اسلامی" کی بنیاد ڈالی۔ تاہم ایک تو انہوں نے نام بھی وہی رہنے دیا اور دوسرے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ بھی انہی اصولوں پر مرتب کیا۔ جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے، پاکستان بننے کے بعد کسی نے اعتراض کیا تھا کہ جماعت سے متعلقین کے جو تین درجے، یعنی رکن، ہمدرد اور متفق بنائے گئے ہیں، یہ کمیونزم کے تنظیمی ڈھانچے سے لئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ پھر تیسرا درجہ یعنی "متفقین" کو ختم کر دیا گیا۔

علماء کے ارد گرد دو سو برس پرانی فضا

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ہم ان تفصیلات کو سامنے لا رہے تھے جن کی وجہ سے بقول جماعتِ اسلامی علماء اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ "تنقیحات" سے جو اقتباس اوپر نقل کیا

گیا ہے' اسی کے تسلسل میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"بد قسمتی یہ ہے کہ علمائے اسلام کو اب تک اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا ہے۔ قریب قریب ہر اسلامی ملک میں علماء کی جماعت اب بھی اسی روش پر قائم ہے جس کی وجہ سے ابتداء میں ان کو ناکامی ہوئی تھی۔ چند مستثنیٰ شخصیتوں کو چھوڑ کر علماء کی عام حالت یہ ہے کہ وہ زمانے کے موجودہ رجحانات اور ذہنوں کی نئی ساخت کو سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔ جو چیزیں مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اسلام سے بیگانہ کر رہی ہیں ان پر اظہارِ نفرت تو ان سے جتنا چاہے کرا لیجئے' لیکن اس زہر کا تریاق بہم پہنچانے کی زحمت وہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جدید حالات نے مسلمانوں کے لئے جو پیچیدہ علمی اور عملی مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کو حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ ناکامی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ ان مسائل کا حل اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں اور اجتہاد کو یہ اپنے اُوپر حرام کر چکے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین کے بیان کرنے کا جو طریقہ آج ہمارے علماء اختیار کر رہے ہیں وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنے کے بجائے اُلٹا متنفر کر دیتا ہے اور بسا اوقات ان کے مواعظ سن کر یا ان کی تحریروں کو پڑھ کر بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے کسی غیر مسلم یا بھٹکے ہوئے مسلمان کے چشم و گوش تک یہ صدائے بے ہنگام نہ پہنچی ہو۔ انہوں نے اپنے اردگرد دو سو برس پرانی فضا پیدا کر رکھی ہے۔ اسی فضا میں سوچتے ہیں' اسی میں رہتے ہیں' اور اسی کے مناسب حال باتیں کرتے ہیں۔"

(ایضاً صفحہ ۲۸)

علماء نے اسلام کو جامد اور غیر متحرک بنا دیا ہے!

پھر اسی کتاب میں آگے چل کر (صفحہ ۱۱۸) پر لکھتے ہیں:۔

"صدیوں سے ہماری مذہبی رہنمائی جس گروہ کے ہاتھوں میں ہے' اس نے اسلام کو ایک جامد و غیر متحرک چیز بنا دیا ہے۔ غالباً چھٹی ساتویں ہجری کے بعد سے اس گروہ کے ہاں جنتری بدلنی موقوف ہو گئی ہے۔ وہ اپنے فلسفے اور کلام کے مباحث میں تو یہی پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ عالم متغیّر ہے اور ہر متغیّر حادث ہوتا ہے' لیکن حقیقت میں عالم کے تغیّر اور زمانے کی نیرنگی اور وقت کے سیلان و تجدّد سے انہوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ دنیا

بدل کر کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے مگر ہمارے پیشوا اپنے آپ کو ابھی تک اسی ماحول میں سمجھ رہے ہیں جو پانچ چھ سو برس پہلے پایا جاتا تھا۔ انہوں نے زمانہ کے ساتھ کوئی ترقی نہ کی، نئے تغیرات سے بے اثر رہے۔ زندگی کے نئے مسائل سے کوئی غرض نہ رکھی اور کوشش یہی کرتے رہے کہ اپنی قوم کو بھی زمانے کے ساتھ چلنے سے روک دیں بلکہ مستقبل سے ماضی کی طرف کھینچ لیں"

جمود کی خرابی کی جڑ

علماء کی اس روش کو بیان کرنے کے بعد مودودی صاحب اس چیز پر روشنی ڈالتے ہیں جو اس تمام خرابی کی جڑ ہے:۔

"اس خرابی کی جڑ دراصل ایک اور چیز ہے۔ ہمارے مذہبی رہنما فروع میں اس درجہ منہمک ہوئے کہ اصول ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ پھر فروع نے اصول کی جگہ لے لی۔ اور ان سے ہزار در ہزار فروع اور نکل آئے جو اصل اسلام قرار پا گئے۔ حالانکہ اسلام میں ان کی قطعاً کوئی اہمیت نہ تھی۔ ملّتِ اسلامی کی عمارت دراصل اس ترتیب پر قائم ہوئی تھی کہ پہلے قرآنِ مجید، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سُنّت، پھر اہلِ علم و بصیرت کا اجتہاد۔ لیکن بدقسمتی سے اس ترتیب کو اُلٹ دیا گیا اور نئی ترتیب یوں قرار پائی کہ پہلے ایک خاص زمانہ کے اہلِ بصیرت کا اجتہاد، پھر سُنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور سب سے آخر میں قرآن۔ یہی نئی ترتیب اس جمود کی ذمہ دار ہے جس نے اسلام کو ایک ساکن و غیر متحرک شے بنا دیا ہے.... مگر جب قرآن میں غور و فکر کرنا چھوڑ دیا گیا، جب احادیث کی تحقیق اور چھان بین بند ہو گئی، جب آنکھیں بند کر کے پچھلے مفسّرین اور محدّثین کی تقلید کی جانے لگی، جب پچھلے فقہا اور متکلّمین کے اجتہادات کو اٹل اور دائمی قانون بنا لیا گیا، جب کتاب و سنّت سے براہِ راست اکتسابِ علم ترک کر دیا گیا اور جب کتاب و سنّت کے اصول چھوڑ کر بزرگوں کے نکالے ہوئے فروع ہی اصل بنا لئے گئے تو اسلام کی ترقی دفعتہً رک گئی۔ اس کا قدم آگے پڑنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے حامل اور وارث، علم و عمل کے نئے میدانوں میں دنیا کی رہنمائی کرنے کے بجائے پرانے مسائل اور علوم کی شرح و تفسیر میں منہمک ہو گئے۔ جزئیات اور فروع میں جھگڑنے لگے۔

نئے نئے مذاہب نکالنے اور دُور اَز کار مباحث میں فرقہ بندی کرنے لگے۔ اور اس دریا دِلی کے ساتھ مسلمانوں میں کفر و فسق تقسیم کیا گیا کہ **یدخلون فی دین اللہ افواجا** کی جگہ **یخرجون من دین اللہ افواجا** کا تماشہ دنیا نے دیکھا۔" (ایضاً۔ صفحہ ۱۲۰)

حجروں کی تنگ دنیا اور علماء کے مشاغل

پھر جون ۱۹۳۹ء کے ترجمان القرآن میں "بے اصل فتنے" کے زیرِ عنوان علماء کے مشاغل کی جھلک یوں دکھاتے ہیں:۔

"یہ نمونہ ہے ان فضول، لایعنی اور لاطائل جھگڑوں کا، جن میں ہمارے بہت سے علماءِ دین اور بہت سے دیندار لوگ نہ صرف خود اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے ذہن کو بھی اس بری طرح سے اُلجھا رہے ہیں کہ ان غریبوں کو دین کی حقیقت اور اپنی زندگی کے مقصد پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ان لوگوں کی دنیا تنگ اور محدود ہے اور اس تنگ دنیا میں بیٹھے ہوئے یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی اور ساری دنیا کی فلاح کا مدار اس قسم کے سوالات پر ہے کہ حضرت مریم کو گرمی کا میوہ جاڑے میں ملتا تھا یا نہیں اور لوہا حضرت داؤد کے ہاتھ میں آتے ہی موم بن جاتا تھا یا نہیں۔ کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ انہیں ان کے حجروں کی تنگ دنیا سے نکال کر خدا کی وسیع دنیا کا مشاہدہ کرایا جاتا اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ وہ حقیقی مسائل کون سے ہیں جن پر نوعِ انسانی کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے۔" (تفہیمات۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۱۳۰)

اسی تحریر کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"سب سے بڑھ کر افسوسناک امر یہ ہے کہ ان مسائل میں مغزپاشی کرنے والے ایسے لوگ ہیں جو ہمارے دین کے عالم اور ملّتِ اسلامیہ کے علمبردار کہلاتے ہیں۔ مسلمان ان کی طرف اس لئے رجوع کرتے ہیں کہ ان کے پاس سے دین کا علم ملے گا۔ دنیا ان کو اس نظر سے دیکھتی ہے کہ یہ اس دین کے نمائندے ہیں جسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ مگر اس اہم ذمہ دارانہ منصب پر متمکّن ہو کر وہ اس قسم کے مسائل پر زبان و قلم کا زور صرف کر رہے ہیں جن کا چھوٹا سا نمونہ اوپر کے سوال میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ باتیں دیکھ کر مسلمان اور غیر مسلم سب اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں

کہ شاید اسلام کے مہمات مسائل یہی ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۱۳۱)

علماء کا اہم مشغلہ کافرگری

"انہوں نے اصل اور فرع، نص اور تاویل کے فرق کو نظرانداز کر دیا ہے۔ وہ ان فروع کو بھی اصول بنائے بیٹھے ہیں جن کو انہوں نے خود یا ان کے اسلاف نے اپنے مخصوص فہم کی بنا پر اصول سے اخذ کیا ہے۔ وہ ان تاویلات کو بھی نصوص کے درجے میں رکھتے ہیں جو نصوص سے معانی اخذ کرنے میں ان کے گروہ نے اختیار کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فروع اور اپنی تاویلات کے منکر کو بھی اسی طرح کافر قرار دیتے ہیں جس طرح اصول اور نصوص کے منکر کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی کھینچ اور تان اور بے اعتدالی نے پہلے تو اسلامی جمعیت میں صرف تفرقہ ہی پیدا کیا تھا مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ علماء کی یہ کافرگری مسلمانوں کے دلوں میں نہ صرف علماء کی طرف سے بلکہ خود اس مذہب کی طرف سے بھی بدگمانیاں پیدا کر رہی ہے جن کی نمائندگی یہ علماء کرتے ہیں۔ روز بروز علماء کا اقتدار مسلمانوں پر سے اُٹھتا جا رہا ہے۔ ان کی باتیں سن کر دل مذہب کی طرف راغب ہونے کے بجائے اس سے دُور بھاگتے ہیں۔ مذہبی مجلسوں اور مذہبی تحریروں کے متعلق یہ عام خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ان میں فضول جھگڑوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔"

(تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۱۵۲)

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"مگر عام طور پر علماءِ دین جن مشاغل میں مشغول رہے وہ یہ تھے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر مناظرہ بازیاں کیں۔ چھوٹے چھوٹے مسائل کو بڑے مسائل بنایا اور بڑے مسائل کو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اختلافات کو مستقل فرقوں کی بنیاد بنایا اور فرقہ بندی کے جھگڑوں اور لڑائیوں کا اکھاڑہ بنا کر رکھ دیا۔ معقولات کے پڑھنے پڑھانے میں عمریں گزار دیں اور قرآن و حدیث سے نہ خود ذوق رکھا نہ لوگوں میں پیدا کیا۔ فقہ میں اگر دلچسپی لی تو موشگافیوں اور جزئیات کی بحثوں کی حد تک لی۔ تفقّہ فی الدّین پیدا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ان کے اثرات جہاں جہاں بھی پہنچے لوگوں کی

نگاہیں خوردبین بن کر رہ گئیں ' دُوربین و جہاں بیں نہ بن سکیں ۔ آج یہ پوری میراث جھگڑوں اور مناظروں اور فرقہ بندیوں اور روز افزوں فتنوں کی لہلہاتی ہوئی فصل کے ساتھ ہمارے حصہ میں آئی ہے ۔"

(اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات ۔ از مولانا مودودی صاحب صفحہ ۴۲۷'۴۲۸)

علماء کا یہ طرزِ عمل تھا جس کی وجہ سے ان میں ذہنی جمود پیدا ہوا ۔ اس کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :۔

"اس کے بعد جب ذہنی حیثیت سے ہم اپنی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کئی صدیوں سے ہمارے ہاں علمی تحقیقات کا کام قریب قریب بند تھا ۔ ہمارا سارا پڑھنا پڑھانا بس علومِ اوائل تک محدود تھا ۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں یہ تصور گہری جڑوں کے ساتھ جم گیا تھا کہ اسلاف جو کام کر گئے ہیں وہ علم و تحقیق کا حرفِ آخر ہے ' اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا ۔ بڑی سے بڑی علمی خدمت بس یہی ہو سکتی تھی کہ اگلوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر شرحوں اور حاشیوں کے ردے چڑھائے جائیں ۔ ان ہی چیزوں کے لکھنے میں ہمارے مصنفین اور ان کے پڑھنے پڑھانے میں ہمارے مدرسین مشغول رہے ۔ کسی نئی فکر ' کسی نئی تحقیق ' کسی نئی دریافت کا مشکل ہی سے قریب کی ان صدیوں میں ہمارے ہاں کہیں پتہ چلتا ہے ۔ اس کی وجہ سے مکمل جمود کی سی کیفیت ہماری ذہنی فضا پر طاری ہو چکی تھی ۔" (ایضاً صفحہ ۴۳۳)

درسِ نظامی میں آٹے میں نمک برابر بھی دین نہیں

قارئین خود اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس نظامِ تعلیم نے ہمارے علماء کو اس حالت تک پہنچا دیا ہو ' مودودی صاحب کی طرف سے اس کے حق میں کیا کچھ نہ کہا گیا ہو گا ۔ چنانچہ انہوں نے علماء کے خلاف مہم میں اس درسی نظامِ تعلیم کو بھی (جسے درسِ نظامی کہتے ہیں) خوب آڑے ہاتھوں لیا ۔ ۔ پہلے ملاحظہ ہو کہ ان کی تحقیق کے مطابق درسِ نظامی کی کتابوں میں دین کا حصّہ کتنا ہے ۔ نومبر ۱۹۵۱ء کے ترجمان القرآن میں ہمیں ان کی یہ تحقیق ملتی ہے :۔

"مولانا اس بد دماغی کی بھی تو خبر لیں جو مدتوں سے ہمارے دینی مدرسوں میں پرورش پا رہی ہے کہ نصاب کی چند کتابیں اُلٹی سیدھی پڑھ کر ہر شخص اپنے آپ کو دین کا مختارِ کل سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں میں دین کا حصّہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنا آٹے میں نمک کا۔" (صفحہ ۲۵ر۹۷)

اب علماء کے اس نظامِ تعلیم یعنی درسِ نظامی کی پوری تصویر انہی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:-

"جہاں تک ہمارے پرانے نظامِ تعلیم کا تعلق ہے وہ آج سے صدیوں پہلے کی بنیادوں پر قائم ہے۔ جس وقت یہاں انگریزی حکومت آئی اور وہ سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کی بدولت ہم غلام ہوئے' اس وقت جو نظامِ تعلیم ہمارے ملک میں رائج تھا وہ ہماری اس وقت کی ضروریات کے لئے کافی تھا..... لیکن جب وہ سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کی بدولت ہم غلام ہوئے تو اس پورے نظامِ تعلیم کی افادیت ختم ہو گئی..... اب جو لوگ اس نظامِ تعلیم کے تحت پڑھ رہے ہیں اور اس سے تربیت پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔"

(تعلیمات۔ از مولانا مودودی صاحب۔ صفحہ ۱۳۸' ۱۳۹)

مولانا کی یہ تقریر جو انہوں نے اپنی جماعت کے طلباء کے گروپ یعنی اسلامی جمعیتِ طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی' بڑی طول طویل ہے جس کا پورے کا پورا نقل کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا' مقصد زیرِ بحث کی وضاحت کے لئے اس میں سے ایک دو مزید اقتباسات دیئے جاتے ہیں' فرماتے ہیں:-

"ان درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلباء نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکتے ہیں' نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلام کے اصولوں کو منطبق کر سکتے ہیں۔ نہ ان کے اندر اب یہ صلاحیت ہے کہ دینی اصولوں پر قوم کی رہنمائی کر سکیں اور نہ وہ ہمارے اجتماعی مسائل میں سے کسی مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اب ان کی بدولت دین کی

عزت میں اضافہ ہونے کے بجائے اُلٹا اس میں کمی ہو رہی ہے۔ دین کی جیسی نمائندگی آج ان کے ذریعہ سے ہو رہی ہے اس کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں دین سے روز بروز بُعد بڑھتا جا رہا ہے اور دین کے وقار میں کمی آ رہی ہے۔ پھر ان کی بدولت ہمارے ہاں مذہبی جھگڑوں کا ایک سلسلہ ہے جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ کیونکہ ان کی ضروریاتِ زندگی انہیں مجبور کرتی ہیں کہ وہ ان جھگڑوں کو تازہ رکھیں اور بڑھاتے رہیں۔ یہ جھگڑے نہ ہوں تو قوم کو سرے سے ان کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔"

(ایضاً۔ صفحہ ۱۳۹۔۱۴۰)

علماء کی زبانوں میں ڈنک ہے

ان جھگڑوں میں علماء حضرات زبان کس قسم کی استعمال کرتے ہیں' اس کے متعلق بھی مودودی صاحب کی تصریحات ملاحظہ فرمایئے' وہ ایک مستفسر کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

"اس گروہ کو چھوڑ کر اگر آپ نے جمعہ کی امامت کے لئے کسی دوسرے گروہ کا انتخاب کرنا چاہا تو لامحالہ اس کے لئے آپ کو علماء ہی کے طبقے کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور باستثناء چند اس طبقے کے سوادِ اعظم کا جو حال ہے اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے۔ ان حضرات کو اگر آپ نے عام فہم زبان میں من مانے خطبے دینے کا موقع دیا تو یقین جانئے کہ آئے دن مسجدوں میں سر پھٹول ہو گی۔ اس لئے کہ ان میں کا ہر شخص اپنا ایک الگ مشرب رکھتا ہے اور اپنے مشرب میں وہ اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کے نزدیک گناہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے اس کی زبان میں ایک ڈنک رکھ دیا ہے جس سے دلوں کو زخمی کئے بغیر وہ کوئی بات نہیں کر سکتا۔ وہ جس ماحول سے تعلیم و تربیت پا کر آتا ہے اور جس ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے وہاں دین کے مہمات اور قوم کے مصالح کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ تمام دلچسپیاں سمٹ کر چند نزاعی چھوٹی چھوٹی باتوں میں جمع ہو گئی ہیں۔ اس لئے لامحالہ وہ جب زبان کھولے گا انہی مسائل پر کھولے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ کے گھر میں گالم گلوچ اور جُوتم پیزار ہو گی اور آخرکار ہر مشرب کے مسلمان اپنے جمعے الگ الگ قائم کرنے

لگیں گے۔" (تنقیحات صفحہ ۲۸)

اس کے بعد آپ پھر اسی درس نظامی کی طرف آیئے جس پر مودودی صاحب کی تنقید آپ کے سامنے آ رہی تھی۔ انہوں نے اس سلسلہ میں لکھا تھا:۔

"کوئی عربی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے نصابِ تعلیم میں پورا قرآنِ مجید داخل ہو۔ صرف ایک یا دو سورتیں (سورۃ بقرہ یا سورۃ آلِ عمران) باقاعدہ درساً درساً پڑھائی جاتی ہیں۔ باقی سارا قرآن اگر کہیں شاملِ درس ہے بھی تو صرف اس کا ترجمہ پڑھا دیا جاتا ہے۔ تحقیقی مطالعۂ قرآن کسی مدرسے کے نصاب میں شامل نہیں۔ یہی صورت حال حدیث کی ہے۔ اس کی بھی باقاعدہ تعلیم جیسی کہ ہونی چاہئے، جیسی کہ محدّث بننے کے لئے درکار ہے، کہیں نہیں دی جاتی۔ درسِ حدیث کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ یہ ہے کہ جب فقہی اور اعتقادی جھگڑوں سے متعلق کوئی حدیث آ جاتی ہے تو اس پر دو دو تین تین دن صرف کر دیئے جاتے ہیں۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو دین کی حقیقت سمجھاتی ہیں یا جن میں اسلام کا معاشی اور سیاسی اور تمدنی اور اخلاقی نظام بیان کیا گیا ہے، یا جن میں دستورِ مملکت یا نظامِ عدالت یا بین الاقوامی قانون پر روشنی پڑتی ہے، ان پر سے اُستاد اور شاگرد دونوں اس طرح رواں دواں گزر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی بات قابلِ توجہ ہے ہی نہیں۔ حدیث اور قرآن کی بہ نسبت ان کی توجہ فقہ کی طرف زیادہ ہے۔ لیکن اس میں زیادہ تر بلکہ تمام تر جزئیات فقہ کی تفصیلات ہی توجہات کا مرکز رہتی ہیں۔ فقہ کی تاریخ، اس کے تدریجی ارتقاء، اس کے مختلف اسکولوں کی امتیازی خصوصیات، ان اسکولوں کے متفق علیہ اور مختلف فیہ اصول اور ائمہ مجتہدین کے طریقِ استنباط، جن کے جانے بغیر کوئی شخص حقیقت میں فقیہہ نہیں بن سکتا، ان کے درس میں سرے سے شامل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان چیزوں پر شاگرد تو درکنار اُستاد بھی نگاہ نہیں رکھتے۔" (ایضاً صفحہ ۱۴۰-۱۴۱)

پھر ترجمان القرآن بابت مئی ۱۹۵۰ء میں جدید تعلیم کے نقائص بیان کرنے کے بعد درسِ نظامی کی درسگاہوں کی یوں خبر لیتے ہیں:۔

"بعینہٖ اس طرح دینی مدارس میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ دینی علوم کو دنیا کے

بڑے بڑے اجتماعی اور عملی مسائل سے بالکل الگ کر کے پڑھایا جاتا ہے اور جو طلباء دین کے لئے زندگیاں وقف کرتے ہیں وہ سائنس ' ریاضی ' جغرافیہ ' تاریخ ' سیاست ' معاشیات ' حفظانِ صحت اور معلوماتِ عامہ کے لحاظ سے بالکل کھوکھلے ہوتے ہیں کیونکہ ہمارا مذہبی نظامِ تعلیم ان علوم کو دینیات کے دائرے سے باہر جگہ دیتا ہے۔ "

(صفحہ ۳۰۰)

درسِ نظامی کے اُستاد۔ ذہنی پستی اور طباع کا افلاس

یہ درسِ نظامی کس قسم کے علماء پیدا کر رہا ہے ' یہ بھی انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:۔

" پھر ذرا آپ چراغ لے کر وہ مقدس چہرے تو ڈھونڈ کر دکھا دیجئے جو طلباء کو دین کے اسرار سے آگاہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ کیا کوئی ایک ادارہ ایسا ہے جس میں اسلامی نظامِ زندگی کی تعلیم و تربیت دینے کا انتظام کیا گیا ہو؟ جس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہونے والا ہے اس میں یہ ذہنوں کی پستی ' طباع کا افلاس اور ہمّت کی کمزوری کا روشن ثبوت ہے کہ آج بھی ہمارے ائمہ مساجد دعوت دیتے ہیں کہ آؤ تعلیمِ دین خطرے میں ہے۔ ہمارے مدرسے کی مدد کرو۔ اور پھر بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ہمیں اتنا چندہ ملا۔ کیا اس ملک میں قرآن کا نظام قائم ہو گا جس میں آج تک ہمارے ناظمین مدرس دینیات کو اس سے نجات نہ مل سکی کہ وہ دربدر پھر کر تعلیم دین کیلئے چندہ جمع کریں۔ "

(ترجمان القرآن بابت جولائی تا ستمبر ۵۔ صفحہ ۲۲۵، ۲۸۹)

شاید کسی کے ذہن میں یہ بات ہو کہ کیا دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء جیسے علماء ساز ادارے بھی اس معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ اس کا جواب بھی امیر جماعتِ اسلامی ہی کی زبانی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

" اور اسی طرح ملک کے جس حصے میں بھی کوئی مدرسہ قائم ہوا ' عام جمود اور مسائلِ حیات سے فرار کی پالیسی میں اس کی روش دیوبند کے نقشِ قدم پر رہی۔ "

(ترجمان القرآن۔ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۹، ۳۴۷)

درسِ نظامی کی اصلاح کے لئے " ندوۃ العلماء کا دارالعلوم قائم کیا گیا لیکن وہ بھی اِن

کے ہاں سے شرف قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ چنانچہ ۵ر جنوری ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی انجمن اتحاد طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آپ کی دینی تعلیم کے تمام مراکز ابھی تک اپنی اسی غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جس نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے۔ ان کے ہاں علم محض علومِ اوائل کے پڑھانے تک محدود ہے۔ "ندوۃ" اور "ازہر" نے اصلاح کی طرف قدم بڑھایا مگر اس کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ سمع کا دائرہ حال کی معلومات تک بڑھا دیا جائے۔ بصر اور فواد پھر بھی معطّل کے معطّل ہی رہے۔ اس علم کا فائدہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی بڑھیا قسم کے مقتدی بن جائیں۔"

(تعلیمات صفحہ ۴۷)

درسِ نظامی کے مقابلے میں مولانا مودودی کا مثالی علم

قدرتاً نگاہیں اس بات کی منتظر ہونگی کہ اگر یہ سب نظامہائے تعلیم اس حد تک خراب ہو چکے ہیں تو مثالی تعلیم کا نمونہ کیا ہو سکتا ہے؟ اسے خود مودودی صاحب کی عملی زندگی میں ملاحظہ فرمایئے۔ جماعتِ اسلامی کی طرف سے علماء کے مقابلے میں ان کی یہ تصویر ہمارے سامنے لائی جاتی ہے:۔

"مولانا مودودی صاحب کوئی اکیڈیمک طرز کے مصنّف نہیں ہیں کہ انہوں نے مجرد علمی خدمت کے لئے زندگی سے غیر متعلق مسائل پر خامہ فرسائی کی ہو۔ وہ کوئی ناقل قسم کے آدمی بھی نہیں ہیں کہ ایک خاص مسلک کی عربی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، اس کو اپنے الفاظ میں اُردو میں منتقل کر دیتے ہوں۔ وہ کوئی جامد اور مقلّد قسم کے آدمی بھی نہیں ہیں کہ ان کا سارا تصنیفی کارنامہ مکھی پر مکھی مار دینا ہو۔ وہ دین و دنیا کی تفریق کے وہم میں بھی مبتلا نہیں کہ ان کا سارا زورِ قلم "غسل و وضو" کے مسائل تک محدود ہو۔ وہ ایک داعی اور مصلح کی شان رکھتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں، دعوت و اصلاح کے مقصد کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے دین کی متعدد ایسی حقیقتوں کو برملا آشکارا کیا ہے جو اگرچہ دین کی نہایت ثابت و معروف حقیقتیں رہی ہیں، لیکن اس دورِ زوال میں ان کو اس وضاحت کے ساتھ کہنے کی ہمت لوگ کھو بیٹھے تھے۔ اس اصلاح

کے مقصد کی خاطر ان کو صرف مسلمانوں کے گمراہ فرقوں ہی پر نہیں بلکہ ان فقہی گروہوں پر بھی تنقیدیں کرنی پڑی ہیں جو صحیح بنیاد پر ہونے کے باوجود بہت سی بے اعتدالیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انہیں اُن لوگوں سے بھی لڑنا پڑا ہے جو بے جا تعصبات اور تقلیدِ جامد کی بندشوں میں گرفتار ہیں۔ انہیں دین کے صحیح تصور اور اس کے نظام کے احیاء کی خاطر ان لوگوں سے بھی نبرد آزمائی کرنی پڑی ہے جو موجودہ معاشرے کی قیادت کر رہے ہیں۔ الغرض انہوں نے جب سے قرطاس و قلم کا مشغلہ اختیار کیا' ان کو اپنے گردوپیش سے ایک چوکھیا لڑائی لڑنی پڑی ہے۔ حنفی اور اہلحدیث' بریلوی اور دیوبندی' صوفی اور مُلّا' مقلّد اور غیر مقلّد' شیعہ اور قادیانی' منکرِ حدیث اور منکرِ شریعت' نیشنلسٹ اور کمیونسٹ' کانگریسی اور مسلم لیگی' غرض کوئی ایسا نہیں ہے جس پر ان کو تنقید نہ کرنی پڑی ہو اور وہ ان کے لٹریچر کے کسی نہ کسی حصّہ سے بیزار نہ ہو"۔

(ترجمان القرآن نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۵۸، ۱۳۰)

یہی وجہ تو ہے کہ وہ قدم قدم پر اُمّتِ مسلمہ کی "رہنمائی" کا فریضہ اکیلے سرانجام دے رہے ہیں کیونکہ درسِ نظامی تو مسخ شدہ مذہبیت ہی کو رواج دے سکا جس نے اسلامی شریعت کو منجمد شاستر بنا دیا ہے۔ چنانچہ سیاسی کشمکش حصہ سوم میں اس مسخ شدہ مذہبیت کے نقائص گناتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسلامی شریعت کو منجمد شاستر بنا دیا ہے

"دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہدِ گذشتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے اور اسلام کی تعلیم دینے والی درسگاہیں آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریخی ذوق کی بنا پر اظہارِ قدر شناسی تو کر سکتے ہیں مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ حال کی تدبیر اور مستقبل کی تعمیر کے لئے اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے۔"

"تیسرا اہم نقص اس میں یہ ہے کہ جزئیات کی ناپ تول مقداروں کے غیر منصوص تعیّن اور رُوح سے بڑھ کر مظاہر پر مدار دینداری رکھنے کی بیماری اس میں حد سے بڑھ گئی ہے۔ اس غلط مذہبیت کے علمبرداروں کی زندگی دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر آدمی اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ انسان کی ابدی فلاح و خُسران کا مدار کیا انہی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہے جن پر یہ لوگ اتنا زور دیتے ہیں۔ اسلام کے راستے میں یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے، مگر یہ اسلام کا قصور نہیں ہمارا اپنا قصور ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے اس نظامِ تعلیم کو بدلیں جس نے دنیا کے تصوّر کو اتنا غلط اور شریعت کے علم کو اس قدر جامد بنا دیا ہے۔"

(مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم۔ صفحہ ۱۸۶-۱۸۷)

یہ جو بار بار چھوٹی چھوٹی چیزیں، جزئیات کا ناپ تول، مقداروں کا غیر منصوص تعیّن اور رُوح سے بڑھ کر مظاہرِ دین کو اہمیت دینے کی اصطلاحات بار بار استعمال ہو رہی ہیں تو ہم اس کی وضاحت کے لئے اس خاص مسئلہ کو سامنے لاتے ہیں جس کی وجہ سے جماعتِ اسلامی کے امیر کو بار بار یہ الفاظ کہنے پڑ رہے ہیں۔ یہ مسئلہ تھا داڑھی کی منصوص مقدار کا، جس پر امیر جماعتِ اسلامی اور جماعت میں داخل ہونے والے دوسرے علماء کے درمیان بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہوئیں۔ اس عملی مثال کے سامنے آ جانے کے بعد قارئین بھی ان اصطلاحات کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔

داڑھی سنّت نہیں بلکہ عادت ہے

ایک وقت تھا جب مودودی صاحب خود داڑھی منڈاتے تھے۔ رئیس احمد صاحب جعفری ندوی (مرحوم) نے اس کی جھلک ہمیں اپنی کتاب "دید و شنید" میں یوں دکھائی ہے:۔

"۱۹۳۷ء کی ایک سرد شام کو خلافت ہاؤس کے مہمان خانے میں ایک نئی صورت نظر آئی۔ میانہ قد، دوہرا بدن، سر پر تُرکی ٹوپی، علی گڑھ کٹ پائجامہ، حیدر آباد وضع کی شیروانی، داڑھی ندارد، غالباً مونچھیں بھی منڈی ہوئیں۔ انگریزی تراش کے بال، خوبصورت چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، کچھ خاموش خاموش، کچھ الگ تھلگ سے۔ میں نے مولانا عرفان سے پوچھا آپ کی تعریف؟ فرمایا، ابو الاعلیٰ مودودی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ' یعنی جماعتِ اسلامی کی بنیاد رکھنے کے بعد ' مودودی صاحب نے کچھ داڑھی بڑھالی۔ علماء کے اعتراضات سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کی مقدار اتنی ہی تھی جتنی عام طور پر جماعتِ اسلامی کے لوگوں کے چہروں پر نظر آتی ہے۔ یعنی دُور سے دیکھنے سے ڈاڑھی معلوم ہو ' چاہے اس کی مقدار انچ کا آٹھواں حصّہ ہی کیوں نہ ہو۔ علماء نے ان کی اس روش پر سخت اعتراض کیا لیکن مودودی صاحب کا فرمان تھا کہ شریعت سے یہی کچھ ثابت ہوتا ہے۔ اور علماء جو مُشت بھر داڑھی کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ مقدار غیر منصوص ہے۔ اور پھر جو لوگ ' ان کی تحقیق کے مطابق اس غیر منصوص مقدار پر زور دیتے ہیں اسے مودودی صاحب بدعت اور تحریفِ دین قرار دیتے تھے۔ مودودی صاحب کے جواب سے پہلے ' جماعت اسلامی سے متعلق کسی صاحب کی وہ گزارش ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے ان کی خدمت میں کی تھی:۔

"دوسری گزارش یہ ہے کہ حکمت و مصلحتِ شرعی کا تقاضا ہے کہ فروعی مسائل اور ظواہرِ سنن کی تغیّر و تبدیل پر ابتداً اصرار نہ کیا جائے اور نہ خود عملاً ایسا طرز اختیار کیا جائے جس سے مسلمانوں میں توحّش و تنفّر پیدا ہو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قتلِ منافقین اور تغیّرِ بنائے کعبہ سے محترز رہے۔ مجھے یہ تسلیم ہے کہ اعفاء اور تقصیرِ لحیہ کے بارے میں سلف میں اختلاف پایا جاتا ہے اور جو طرزِ عمل آپ نے اختیار کیا ہے اس کی گنجائش نکلتی ہے۔ ادھر مقدار قبضہ تک اعفاء کے جواز سے آپ کو بھی انکار نہ ہو گا۔ پھر کیا یہ مناسب اور حکیمانہ فعل نہ ہو گا کہ عوام کو توحّش سے بچانے کے لئے آپ بھی اسی جواز پر عمل کر لیں۔ کیونکہ ظاہری وضع قطع میں جو غلو کی صورت ہے اس کی اصلاح بنیادی امور اور مہمات مسائل کے ذہن نشین کرانے کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ جماعتِ اسلامی سے مخلصانہ وابستگی اور دلی تعلّق کی بنا پر یہ چند سطور لکھ رہا ہوں ' اُمید ہے کہ غور فرمائیں گے۔"

(ترجمان القرآن ' بابت مارچ تا جون ۱۹۴۵ء صفحہ ۲۶۹/۱۷۳)

داڑھی کی مقدار کو منصوص قرار دینا بدعت اور تحریفِ دین ہے

مودودی صاحب نے اس گزارش کا جو جواب دیا اب وہ ملاحظہ فرمائیں:۔

"داڑھی کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ میں اپنے عمل سے اس ذہنیت کو غذا دینا پسند نہیں کرتا جس نے بدعت کو عین سنّت بنا دینے تک کی نوبت پہنچا دی ہے۔ میرے نزدیک کسی غیر منصوص چیز کو منصوص کی طرح قرار دینا اور کسی غیر مسنُون چیز کو (جو اصطلاح شرعی کے لحاظ سے سنّت نہ ہو) سنّت قرار دینا بدعت ہے۔ اور ان خطرناک بدعتوں میں سے ہے جو معلوم و معروف بدعتوں کی بہ نسبت زیادہ تحریفِ دین کی موجب ہوئی ہیں۔ اسی قبیل سے یہ داڑھی کا معاملہ ہے۔ لوگوں نے غیر منصوص مقدار کو ایسی حیثیت دے دی ہے اور اس پر ایسا اصرار کرتے ہیں جیسا کہ منصوص چیز پر ہونا چاہئے۔ پھر اس سے زیادہ خطرناک غلطی یہ کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کو بعینہٖ وہ سنّت قرار دیتے ہیں جس کے قائم و جاری کرنے کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ در آں حالیکہ جو امور آپ نے عادۃً" کئے ہیں انہیں سنّت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا۔ یہ تحریف، جو دین میں کی جا رہی ہے اگر میں اس کے آگے سپر ڈال دوں اور جس وضع و قطع میں لوگ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں اس میں اپنے آپ کو ڈھال لوں تو میرے نزدیک مَیں ایک ایسے جرم کا مرتکب ہوں گا جس کیلئے اللہ کے یہاں مجھ سے سخت بازپُرس ہو گی۔ اور اس بازپُرس میں کوئی میری مدد کے لئے نہ آ سکے گا۔ لہٰذا میں اپنے آپ کو لوگوں کے مذاق کے خلاف بنائے رکھنا بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو اس اُخروی خطرے میں ڈالوں۔"

(ترجمان القرآن۔ ایضاً صفحہ ۱۷۵، ۱۷۲)

ترجمان القرآن کے اسی شمارہ میں ایک اور عالِم دین کو عادت اور سنّت کا فرق یوں سمجھاتے ہیں:۔

"میں نے آپ سے زبانی بھی عرض کیا تھا اور اب تحریراً بھی عرض کرتا ہوں کہ میں دین کو جو کچھ سمجھتا ہوں اور شریعت کے متعلق جو کچھ مجھے علم ہے اس کی بنا پر میرا یہ فرض ہے کہ نہ صرف اپنے قول سے بلکہ اپنے عمل سے ان غلطیوں کی اصلاح کروں جو شریعت کے بارے میں لوگوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ محض لوگوں کے مذاق کی رعایت

کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس رنگ میں پیش کرنا جس میں وہ مجھے رنگا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کو اس غلط فہمی میں ڈالنا کہ شریعت کے اصل تقاضے وہی ہیں جو انہوں نے سمجھ رکھے ہیں' میرے نزدیک گناہ ہے۔ میں اُسوہ اور سنّت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی داڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنّتِ رسولؐ یا اُسوۂ رسولؐ ہے' یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عاداتِ رسولؐ کو بعینہٖ وہ سنّت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنّت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنّت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریفِ دین ہے جس سے نہایت بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۷۸/ ۲۷۴)

ظاہر ہے کہ جن علماء کی اس قدر مخالفت کی جائے اور ان کی تنقیص و تنکیر میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی جائے' وہ جماعتِ اسلامی کی تائید کس طرح کر سکتے تھے۔ جماعتِ اسلامی سے متعلقین کو علماء کی طرف سے جماعت کی مخالفت کا احساس پریشان کر رہا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے مودودی صاحب سے پوچھ ہی لیا کہ ہماری دعوت "خالص اسلامی" ہونے کے باوجود اسلام پسند حلقوں میں کیوں مقبول نہیں ہو رہی۔ مودودی صاحب نے اس کا ذمہ دار علماء کو قرار دیا۔ فرماتے ہیں:۔

"رہے علماء' تو ان کی نسبت ہر شخص جانتا ہے کہ یہی حضرات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی ان کی موجودہ حالت تک رہنمائی کی ہے۔ یہ بہار انہی کی لائی ہوئی ہے۔ دینداری اور تقویٰ' اسلام اور ایمان' توحید اور رسالت کا موجودہ مفہوم جو عوام کے ذہنوں میں راسخ ہے' انہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ لوگ نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انہی کا کام تھا کہ تمام آفات و مصائب کے اندر سے وہ اسلام کو بچا لائے اور آج بھی اس کو بچائے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں سے جو اتنی پیچ در پیچ خوش گمانیوں میں مبتلا ہیں'

آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ آج وہ کھلے دل سے اس بات کا اقرار کریں گے کہ آج تک انہوں نے جو رہنمائی کی ہے وہ غلط ہے اور صحیح راہ وہ ہے جس کی دعوت فلاں جماعت دے رہی ہے۔ بلاشبہ حق پرستی کا تقاضا یہی ہے کہ اس صاف حقیقت کے اقرار سے ان کو شرم نہ آئے ..... لیکن جو حضرات اپنی غلطیوں کو دین و تقویٰ بنا کر ان کی پرستش کرتے اور کراتے رہتے ہیں' ان کے لئے اپنے محبوب بتوں کو توڑ پھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہی تو وہ جہادِ اکبر ہے جس کے اہل بہت کم نکلتے ہیں۔ اور اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ اس کمزوری میں ہمارے علماء بھی مبتلاء ہیں"۔

(ترجمان القرآن۔ مارچ تا جون ۱۹۴۵ء۔ صفحہ ۸۹ر۱۸۵)

علماء دعوتِ دین سمجھنے سے قاصر ہیں

پھر اپنے دل کو اس خیال سے تسلّی دیتے ہیں کہ علماء بیچارے تو ہماری دعوتِ اسلامی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سنئے:۔

"جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے سنجیدہ اور سلیم الطّبع لوگ بہت تیزی سے ہماری دعوت اور جماعت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور ان میں سے جتنے لوگ بھی اب تک نکلے ہیں وہ بہت پختہ اور کار آمد ثابت ہوئے ہیں۔ عربی درسگاہوں کے لوگ بھی اگرچہ اب ہماری طرف توجہ کرنے لگے ہیں لیکن ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو کسی نہ کسی عقیدت میں پھنسی ہوئی ہے اور ہر بات کو برحق تسلیم کر لینے کے باوجود کسی حضرت صاحب میں اٹک کر رہ جاتی ہے۔ یہ چیز بھی میں نے اس ایک سال کے تنظیمی کام میں محسوس کی ہے کہ جس قدر جلدی اور آسانی سے یہ دعوت ایک جدید تعلیم یافتہ آدمی کو جو طاغوتی نظام کے چکر میں پھنس کر بالکل چکرا نہ گیا ہو' اپیل کرتی ہے اور اپنے اندر جذب کر لیتی ہے' اس سے کئی گنا زیادہ دشواری عربی خوان حضرات کو اسے محض سمجھانے میں پیش آتی ہے۔ بلکہ ہمارے بعض دوستوں کو تو یہاں تک تجربہ ہوا ہے کہ دیہاتی کسانوں کے سامنے اس دعوت کو پیش کیا گیا اور وہ فوراً ہی اس کے انتہائی مقتضیات اور مطالبات کو پا گئے۔ لیکن اچھے اچھے ذی علم اصحاب قال اقول کے چکر ہی میں پڑے رہے۔ اس

کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے عربی خوان بھائی ایک تو براہِ راست قرآن و حدیث سے دین اخذ کرنے کے بجائے بعض مخصوص رجال سے اپنا دین لینے کے خوگر بنا دیئے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ساری کی ساری گروہی عصبیتوں اور مخفی عقیدتوں کو عین تقاضائے دینداری بنا کر اس طرح ان کے ذہن نشین کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ اپنے حلقے سے باہر کسی دینداری کے قائل ہی نہیں رہتے۔"

(ترجمان القرآن۔ مارچ تا جون ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۹/۱۱۵۔ ۲۰/۱۱۶)

جماعتِ اسلامی سے بعض متعلّقین نے یہ سوچا کہ عوام کو جماعت کے قریب لانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سجادہ نشینوں اور پیروں کو اپنی تحریک کا ہمنوا بنایا جائے چنانچہ جماعت کے ایک اجتماع میں یہ تحریک پیش کی گئی کہ

تجویز نمبر ۱۵:۔ "سجادہ نشینوں اور پیروں کو اس تحریک کی طرف دعوت دینے کے لئے کوئی خاص قدم اُٹھایا جائے کیونکہ ان میں سے کسی ایک شخص کی شرکت کئی ہزار آدمی کی شرکت کے ہم معنی ہے؟

اس کے جواب میں مودودی صاحب نے فرمایا۔

"اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک میں یہ طبقہ بہت زیادہ با اثر ہے اور لاکھوں کروڑوں آدمی اس سے وابستہ ہیں لیکن ان میں بہت کم آدمی ایسے ہیں جو واقعی صاحبِ خبر، خدا ترس اور حق پسند ہیں۔ اکثریت اس طبقے میں ایسے لوگوں کی ہے جن سے زیادہ خدا سے پھرے ہوئے لوگ غالباً دنیا میں نہیں ملیں گے۔ انہوں نے حق کے لئے صرف اپنے ہی کان نہیں بند کر رکھے ہیں، بلکہ اپنے مریدوں اور معتقدوں کے کانوں اور دلوں پر مہریں لگا رکھی ہیں۔ انہیں دعوت دینے کا فائدہ یہ تو نہ ہو گا کہ وہ حق کی آواز پر لبیک کہیں گے اور نیم خدائی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ البتہ اس کا یہ نتیجہ ضرور ہو گا کہ ہم بھڑوں کے چھتے میں خود پتھر پھینک پھینک کر ان کو کاٹنے پر اکسائیں گے۔

(ترجمان القرآن، مارچ تا جون ۱۹۴۵ء صفحہ ۷۸/۱۷۴)

عیدِ میلاد اور دوسرے مذہبی جلسے

یہ واضح ہے کہ پیر پرستی بیشتر بریلوی حضرات کا مسلک ہے۔ علاوہ بریں، یہ حضرات

عیدِ میلاد، محفلِ قرأت، اور دوسرے انہی قسم کے مذہبی جلسوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔
جماعت کے ایک صاحب نے مودودی صاحب سے ایسے جلسوں میں شرکت کی بابت دریافت کیا تو آپ نے یہ جواب دیا۔

"میرے نزدیک میلاد یا سیرت کے یہ جلسے جو ربیع الاول کے موسم میں ہوتے ہیں، مسلمانوں کے ان تفریحی مشاغل میں شامل ہو گئے ہیں جن سے مقصود بجز اپنے نفس کو یہ فریب دینے کے اور کچھ نہیں ہے کہ خدا کا اور رسولؐ کا جو حق ہے وہ اسے بس اس طرح ادا کئے دے رہے ہیں اور ایسی ہی ذہنیت ان کے دوسرے مذہبی جلسوں کی بھی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس لئے میں اس قسم کے جلسوں میں شرکت کو نہ صرف یہ کہ غیر مفید سمجھتا ہوں، بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم مسلمانوں کی اس پرانی بیماری کو قوت پہچانے کے مجرم نہ ہو جائیں۔" (ترجمان القرآن۔ جنوری، فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۹۱)

مجالسِ قرأت اور سرکس کے کھلاڑی

مکہ شریف میں ایک مجلسِ قرأت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"تلاوت کرنے والے صاحب تلاوت نہیں کر رہے بلکہ کرتب اور فن دکھا رہے ہیں۔ ایک ایک آیت کو پانچ پانچ چھ چھ طریقوں سے پڑھنا، فن دانی کے اظہار کے لئے مناسب ہو تو ہو لیکن تذکیر و ہدایت کے لئے جو کتاب اُتاری گئی تھی، اس کے ساتھ ہمارے قراء کا یہ سرکس کے کھلاڑیوں کا سا برتاؤ حد درجہ افسوسناک ہے۔ راقم کو اس منظر سے سخت اذیت پہنچی۔" (دیار عرب میں چند ماہ۔ صفحہ ۲۴۴)

علماء کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے مسلمان جن دینی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں اور جن کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گذر چکی ہیں، مودودی صاحب کے نزدیک ان کا ایک بڑا علاج "تقلید" کا ختم کرنا ہے۔ اس کو ختم کرنے کے لئے ان کا مندرجہ ذیل فیصلہ ملاحظہ فرمایئے۔

تقلید گناہ سے شدید تر ہے

"میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ

شدید تر ہے۔" (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۲۴۴)

ان کے اس فیصلے کا لازمی نتیجہ تھا کہ ہمارے علماء جو حنفی فقہ کی معتبر کتابوں مثلاً ہدایہ اور عالمگیری وغیرہ کے حوالے دیتے تھے وہ سب مولانا مودودی کی نظر میں دفترِ بے معنی ہو جائیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے بارے میں بھی یہ تصریح انہوں نے خود ہی فرما دی۔

"میں اس بات کا بھی سخت مخالف ہوں کہ علماءِ کرام وقت کے رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں۔ اور اس امر کو بھول جائیں کہ وہ ہدایہ اور بدائع کے زمانۂ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنٹیفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز روز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابُد ہے اور ان مسائل کو ہدایہ اور بدایع کی روشنی میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں جس کا خطرہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں کیا ہے۔ رہنمائی کے لئے علماءِ اسلام میں وسعتِ نظر اور روحِ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ قدم قدم پر عالمگیری اور تاتار خانی کو لا کر سدِّ راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ نئے زمانے کا مسلمان قرآن و حدیث کو پیچھے چھوڑ کر جدھر منہ اُٹھے گا چل نکلے گا، جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے۔" (ترجمان القرآن۔ اگست ۱۹۳۸ء)

اسی سلسلہ میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

"قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گنہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو؟ کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبیؐ کی سُنّت تمہارے پاس اس لئے تھی کہ تم اس کو لئے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں۔ ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا، تم کو کیا حق تھا کہ اسے مشکل بنا دو؟ ہم نے تم کو قرآن اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تھا، تم پر یہ کس نے فرض کیا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو۔ ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں لکھا تھا، تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو۔ اس بازپُرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالمِ دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفوں کے دامن میں پناہ مل سکے گی۔"

(حقوق الزوجین۔ طبع ششم۔ صفحہ ۹۸)

علماء کے خلاف نفرت و حقارت فطری حد کے اندر ہے!

علماء کے خلاف اتنی سخت مہم چلائی جائے تو اس کا نتیجہ لازمی ہے کہ عامتہ النّاس اور خاص کر جماعتِ اسلامی سے متعلق حضرات کے دلوں میں طبقہ علماء کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو جائیں، چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ تاہم جماعتِ اسلامی کے بعض حضرات نے محسوس کیا کہ جماعت کے لوگوں میں علماء کے خلاف جو نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہے وہ جماعت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی اور اس کے سدِّباب کے لئے انہوں نے امیر جماعتِ اسلامی مولانا مودودی سے گزارش کیا۔ یہ گزارش اور امیر جماعتِ اسلامی کا جواب ہم ان کے رسالہ "ترجمان القرآن" سے نقل کرتے ہیں۔

سوال:۔ میں نے اجتماع کے موقعہ پر یہ محسوس کیا ہے کہ ہمارے رفقاء میں علمائے اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس سے مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ کہیں تعصّب اور تحزب میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسے کہ پہلے بھی متعدد تحریکیں صحیح خطوط پر چل کر آخرکار فرقہ بندی پر جا ختم ہوئیں۔ اس فتنہ کا بروقت سدِّباب ہونا چاہئے۔ علماء اپنے رویہ میں ایک حد تک معذور ہیں کیونکہ انہوں نے ایک خاص ماحول میں دماغی تربیت پائی ہے اور خاص طرز فکر سے وہ مسائل کو سوچنے کے عادی ہیں۔ ہمیں ان کی اس معذوری کا لحاظ رکھنا چاہئے۔"

اس کے جواب میں مودودی صاحب نے فرمایا۔

"علماء کے متعلق جس رویہ کی شکایت آپ نے کی ہے وہ یقیناً ایک حد تک پایا جاتا ہے اور میں خود بھی اس کو محسوس کرتا ہوں، لیکن ابھی تک میرے نزدیک وہ فطری حد کے اندر ہے۔ جب دین کے لئے کوئی کام کیا جائے اور وہ بالکل صحیح دینی طرز پر بھی ہو، اعتقادی و عملی حیثیت سے کوئی قباحت بھی اس میں نہ بتائی جا سکے اور کسی لوث یا غرضِ دنیوی کی نشاندہی بھی اس میں نہ کی گئی ہو اور پھر بھی علماء کی طرف سے اس کا صرف یہی نہیں کہ ساتھ نہ دیا جائے، بلکہ مخالفت کا رویہ اختیار کیا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس پر لوگوں کے رنجیدہ نہ ہونے کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے اور لوگ جب رنجیدہ ہوں تو اس

کے رنج کا اظہار آخر کس شکل میں ہو ..... آپ خود چونکہ علماء کے اس گروہ سے وابستگی رکھتے ہیں اور کچھ نہ کچھ عقیدت مندی کی لگاوٹ بھی ابھی تک لگی ہوئی ہے' اس لئے ان حضرات کی غلط روش پر جن لوگوں کو رنج ہے ان کے رنج پر تو آپ کو شکایت ہے لیکن خود اس غلط روش پر آپ ان حضرات کو ایک حد تک معذور پاتے ہیں۔ کاش زمانہ کے سینہ میں بھی آپ کا سا دل ہو تاکہ وہ بھی اس قسم کی معذوریوں کا لحاظ کر کے کسی کے ساتھ رحم کرنے پر تیار ہو جاتا۔ لیکن آپ یقین رکھئے کہ آپ کے دل میں غلط کاروں کے لئے خواہ کتنے ہی نرم گوشے ہوں' زمانہ ایسے نرم گوشے اپنے سینے میں نہیں رکھتا۔"

(ترجمان القرآن۔ مارچ تا جون ۱۹۴۵ء صفحہ ۲۷۲/۲۶۸)

جماعت کی طرف سے علماء کے متعلق جو اس قدر نفرت اور حقارت پیدا کی گئی اور اس کا تدارک کرنے کی بجائے اُلٹا امیرِ جماعت نے اسے شہ دی تو اس کا ردِّ عمل ہونا یقینی تھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے علماءِ دین اور مفتیانِ شرعِ متین سے خود مودودی صاحب کے مسلک کے متعلق فتاویٰ طلب کئے۔ اس بارے میں مفتی کفایت اللہ سے جو فتویٰ حاصل کیا گیا وہ فتویٰ اور مولانا مودودی صاحب کی طرف سے اس کا جو الزامی جواب دیا گیا تھا' قارئین کے پیش خدمت ہے۔

سوال:۔ یہاں سے فتویٰ دریافت کرنے کے لئے مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب مفتیٔ اعظم دہلی کے پاس روانہ کیا گیا تھا کہ مولانا مولوی سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی اتّباع جائز ہے یا ناجائز۔ جواب وہاں سے یہ آیا کہ مولانا مولوی سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کسی بھی امام کے قائل نہیں ہیں' آزاد خیال آدمی ہیں' اس لئے ان کا اتّباع شرعاً ناجائز ہے۔ اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ آپ اپنے خیال کا اظہار فرمائیں۔

"میں حیران ہوں کہ جن لوگوں نے مولانا کفایت اللہ صاحب سے یہ سوال کیا تھا انہوں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ یہی مولانا کفایت اللہ صاحب تیس سال سے گاندھی اور نہرو کا اتّباع کر رہے ہیں اور آج بھی انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس کے حق میں ووٹ دینا چاہئے۔ کیا کانگریس کسی امام کی قائل ہے؟ بلکہ کیا کانگریس خدا اور رسولؐ کو بھی مانتی ہے؟ پھر جو عالم دین کانگریس کے معاملہ میں تو اماموں کے ماننے یا نہ

ماننے کا لحاظ نہ کرے، مگر جماعتِ اسلامی کے معاملہ میں اسے امام یاد آنے لگیں، کیا وہ اس قابل بھی ہے کہ اس کے فتویٰ کا لحاظ کیا جائے؟

(ترجمان القرآن۔ اپریل و مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۱۹/۱۱۹)

مفتی کفایت اللہ کا فتویٰ شائع ہونے کے بعد علماء میں اس کا خوب خوب تذکرہ ہونے لگا۔ اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ شاید جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی اس سے متأثر نہ ہو جائیں۔ انہی دنوں جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجتماع بھی ہو رہا تھا جس میں شاید مفتی صاحب کے فتویٰ کے اثرات کی پیش بندی کے طور پر جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ سے یہ فیصلہ کرا لیا گیا۔

"خالص شرعی امور میں جن کا تعلق اجتہاد یا تعبیرِ نصوص سے ہو مجلس شوریٰ بالعموم امیر کی رائے قبول کرے گی۔"

(ترجمان القرآن۔ جون۔ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶۶/۱۹۴)

ایک دفعہ اگر علماء کے کسی طبقہ سے فتویٰ کی ابتداء ہو جائے تو پھر اس سیلاب کو روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ علماء کے ہر طبقہ کی جانب سے جماعتِ اسلامی کے خلاف فتاویٰ شائع ہونے شروع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام فتاویٰ کا نقل کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ ویسے بھی یہ کوئی خوشگوار چیز نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب نے ان تمام فتاویٰ کا جو مشترکہ جواب دیا، اس کا پیش کر دینا ہی کافی ہو گا۔

علمائے دیوبند، سہارنپور، دہلی اور تھانہ بھون کے فتاویٰ

"میں نے ان سب فتووں کو بغور پڑھ لیا ہے۔ یہ کسی جواب کے لائق نہیں ہیں۔ صرف اس لائق ہیں کہ انہیں اُٹھا کر رکھ لیا جائے اور اس وقت کا انتظار کیا جائے جب اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ میں نے پوری کوشش کی کہ فتووں میں مجھے اپنی کسی غلطی کا نشان مل جائے جو واقعی میں نے کی ہو اور ان حضرات نے دلائل کے ساتھ ثابت کر دی ہو۔ ایسی کوئی چیز ملتی تو میں یقیناً اس کا جواب دینے کے بجائے مان لیتا اور اپنی اصلاح کر لیتا ..... آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم ان غلط بیانیوں اور تحریفات کا پردہ کیوں نہیں چاک کر دیتے جو دعوت الی الخیر کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

میں عرض کروں گا کہ اگر کوئی ایک فتویٰ یا ایک اشتہار ہوتا تو شاید میں بادلِ ناخواستہ اس کی غلطیوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش بھی کر گزرتا' اگرچہ ایسی چیزوں کی طرف توجہ کرنا میرے لئے سخت کراہت کا موجب ہے۔ لیکن یہاں تو پاکستان سے ہندوستان تک ہر طرف فتووں' پمفلٹوں' اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے' جس میں کمیونسٹ' سوشلسٹ' فرنگیت زدہ' ملحد' قادیانی' منکرینِ حدیث' اہلِ حدیث' بریلوی اور دیوبندی' سب ہی اپنے اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں اور آئے دن نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس فصل کو آخر کون کاٹ سکتا ہے اور کہاں تک کاٹ سکتا ہے۔ مجھے اگر دنیا میں اور کوئی کام نہ کرنا ہو تو میں اسے کاٹنے پر اپنی عمر کھپاؤں اور جماعتِ اسلامی اگر اپنے مقصد اور اپنے کام سے دستبردار ہو جائے تو اس پر اپنی محنت ضائع کرے۔ ہمارے مخالفین تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم اس حماقت میں مبتلا ہوں اور جھاڑ جھنکار سے اُلجھ جائیں تاکہ فساق و فجار کی قیادت کو اپنا کام کرنے کے لئے صاف راستہ مل جائے۔ لیکن ہم نے ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شیطان کی فصل ہے' وہی اسے کاٹے گا۔ خود نہ کاٹے گا تو سنّتہ اللہ یہی ہے کہ بالاخر اس کو خود ہی اسے کاٹنا پڑے گا۔"

(ترجمان القرآن۔ مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۴۸/۲۰' ۱۴۹/۲۱)

اگرچہ مولانا مودودی صاحب فرما تو یہ رہے ہیں کہ ان کے لئے ان فتاویٰ کا جواب دینا موجبِ کراہت ہے لیکن اس کے باوجود اس دوران میں جماعتِ اسلامی کا کوئی رسالہ یا اخبار اُٹھا کر دیکھئے اس میں سب سے نمایاں بحث یہی ہو گی۔ خود ترجمان القرآن کے کئی شماروں میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ایک صاحب نے کچھ مزید فتاویٰ انہیں ارسال کئے تو انہوں نے علماء پر طنز کے یہ تیر چلائے۔

علماء اور بے دین قیادت کا گٹھ جوڑ

" آپ کے عنایت نامے سے ان اسباب کا سراغ ملا جن کی وجہ سے دیوبند اور سہارنپور سے لے کر مدرسہ امینیہ تک میں یکایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ہے.... حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام کی اکثریت یا تو قلّتِ فہم کے باعث یا کم ہمتی کے سبب سے یا پھر

اپنی نااہلی کے اندرونی احساس کی وجہ سے دین و دنیا کی تقسیم پر راضی ہو چکی ہے، جس کا تخیل اب سے مدتوں پہلے عیسائیوں سے مسلمانوں کے ہاں در آمد ہوا تھا..... اس تقسیم کو قبول کر لینے کے بعد یہ حضرات اپنی تمام تر قوت دو باتوں پر صرف کرتے رہے۔ ایک اپنی محدود مذہبی ریاست کی حفاظت جس کے مسائل اور معاملات میں کسی کی مداخلت انہیں گوارا نہیں ہے۔ دوسرے کسی ایسی بے دین قیادت سے گٹھ جوڑ جو مذہب کے محدود دائرے میں ان کی اجارہ داری کی بقا کی ضمانت دے اور اس دائرے سے باہر کی دنیا پر جس فسق و فجور اور جس ضلالت کو چاہے فروغ دیتی رہے۔ اس طرح کی ضمانت اگر کسی قیادت سے انہیں مل جائے تو یہ دل کھول کر اس کا ساتھ دیتے ہیں اور خود جان لڑا کر اسے قائم کرنے میں دریغ نہیں کرتے، خواہ اس کا نتیجہ یہی کیوں نہ ہو کہ کفر و الحاد اور فسق و ضلالت تمام سیاسی معاشی اور تہذیبی قوتوں پر قابض ہو کر پورے دین کی جڑیں ہلا دے۔" (ترجمان القرآن۔ مارچ۔ مئی ۱۹۵۱ء۔ صفحہ ۱۵۳/ ۲۴، ۱۵۳/ ۲۵)

مولانا حسین احمد مدنی صاحب کے فتویٰ کا جواب

ترجمان القرآن کی اس سے اگلی اشاعت میں مودودی صاحب مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے فتویٰ کا بڑا مفصل جواب دیتے ہیں جس کا پورے کا پورا نقل کرنا تو ممکن نہیں، صرف پہلا پیرا نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے:۔

"سب سے نمایاں چیز جو مولانا حسین احمد صاحب کے اس بیان میں نگاہ کو کھٹکتی ہے، وہ ان کی زبان ہے۔ جسے ممکن ہے مولانا خود اپنے شایانِ شان سمجھتے ہوں مگر ہم ان کے ساتھ اتنا حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ یہ زبان ان کے مرتبے سے فرو تر نظر آتی ہے۔ کسی شخص یا گروہ سے اختلاف ہونا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ سخت سے سخت اختلاف ہو سکتے ہیں اور سخت سے سخت اظہار رائے شریفانہ زبان میں کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ زبان کہ جس سے اختلاف ہوا، اس کے خلاف "ٹٹ پونجئے" "کم بخت" بدبخت اور خبیث جیسے رکیک الفاظ استعمال کر ڈالے جائیں، ایک مہذب آدمی کے بھی شایان شان نہیں ہے، کجا کہ ایک ایسا مرد بزرگ اس کو اختیار کرے جو اس برِاعظم کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کا مسند نشین ہے اور جس کی طرف ہزارہا آدمی تعلیم دین ہی کے لئے نہیں، تزکیۂ نفس کے

لئے بھی رجوع کرتے ہیں۔ جب قوم کے مقتدا اور مربی و معلم اس طرح کی باتوں پر اُتر آئیں تو بعید نہیں کہ ان سے اخلاق و تہذیب کا سبق لینے والے اصاغر آدمیت سے بالکل عاری ہو جائیں اور اس قوم میں نام کو بھی ایک دوسرے کی عزت کا پاس باقی نہ رہ جائے۔ ؎

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا   فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص"

(ترجمان القرآن بابت جون ۱۹۵۱ء صفحہ ۴۲ تا ۱۰۶' ۴۳ تا ۱۰۷)

ترجمان القرآن میں اس شعر کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ اس کمی کو ہم پورا کئے دیتے ہیں۔

(ترجمہ) اگر گھر کا بزرگ طبلہ بجانے لگ جائے تو پھر اس کی اولاد کو ناچنے پر ملامت نہ کرو۔

کسی صاحب نے امیر جماعتِ اسلامی کو مشورہ دیا کہ جماعتِ اسلامی اور علماء کے درمیان جو یہ کشمکش چل پڑی ہے' اس کو ختم کرنے کے لئے "وہ فتویٰ دینے والے حضرات علی الخصوص حضرت مولانا حسین احمد مدنی' حضرت مولانا اعزاز علی صاحب' حضرت مولانا محمد طیب صاحب' حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب' حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب' حضرت مولانا احمد سعید صاحب' حضرت مولانا محمد زکریا صاحب' مولانا حافظ عبداللطیف صاحب سے خط و کتابت کر کے انہیں مشورہ دیں کہ اگر میرے متعلق یا جماعت کے متعلق کوئی استفتاء آپ کے سامنے آئے تو جواب دینے سے پہلے آپ مجھ سے اصل حقیقت معلوم کر لیا کریں۔"

(ترجمان القرآن۔ بابت مارچ مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۵۸ تا ۳۰)

مودودی صاحب کی طرف سے اس تجویز کا یہ جواب دیا گیا:۔

"آپ کے مخلصانہ مشوروں کا بہت شکر گزار ہوں۔ ممکن تھا کہ میں ان مشوروں پر عمل بھی کرتا' لیکن اتفاق کی بات کہ آپ کا عنایت نامہ ملنے کے دوسرے ہی روز ایک صاحب نے مجھے مفتی سعید احمد صاحب کا مفصل فتویٰ جو "کشف حقیقت" کے نام سے چھپا ہے' بھیج دیا۔ اور اس کے ساتھ دو تین اور اشتہار بھی بھیجے جن میں ۰۰ نا گفتنی

اللہ صاحب ' مولانا جمیل احمد تھانوی ' مولانا اعزاز علی صاحب اور مفتی مہدی حسن صاحب کے فتاویٰ درج تھے ۔ ان تمام فتووں کو دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی ۔ اب یہ حضرات اس مقام سے گزر چکے ہیں جہاں ان کو خطاب کرنا مناسب اور مفید ہو ۔ سب سے زیادہ افسوس مجھے مولانا کفایت اللہ صاحب پر ہے کیونکہ میں ۳۲ سال سے ان کا نیاز مند ہوں اور ہمیشہ ان کا احترام کرتا رہا ہوں ۔ ۵

افسوس کہ انہوں نے جماعتی عصبیت میں آنکھیں بند کر کے یہ فتویٰ تحریر فرمایا ۔ یہ بہت بُرا توشۂ آخرت ہے جو انہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے ساتھ لیا ہے ۔ باقی رہے دوسرے حضرات ' تو ان کے فتوے پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جس وقت یہ فتوے لکھے جا رہے تھے ' اس وقت خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید ان کے قریب بھی موجود نہ تھا ۔ خصوصاً مفتی سعید احمد صاحب کے فتووں میں تو صریح بددیانتی کی بدترین مثالیں پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر گھن آتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا ' مگر اب ان کے یہ فتوے دیکھ کر تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقہ کے فتوے باز و کافر ساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ بھی اُونچا نہیں ہے ۔" (ایضاً صفحہ ۱۵۹/۳۱)

فتاویٰ کے ان جوابوں کے باوجود امیر جماعتِ اسلامی صاحب یہی فرماتے رہے کہ ہم ان فتاویٰ کا جواب نہیں دیں گے ۔ حالانکہ جماعت اسلامی کے اہلِ قلم نے نظم و نثر میں ان علماء کے خلاف وہ کچھ لکھا کہ توبہ ہی بھلی ۔ ہم اس سلسلہ میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتے تھے لیکن عدم گنجائش اس کی مانع ہے ۔ صرف ایک مثال پیشِ خدمت ہے اور اسے بھی ہم دل پر پتھر رکھ کر نقل کرتے ہیں ۔

مولانا احمد علی صاحب (مرحوم) اور جماعتِ اسلامی

جماعتِ اسلامی کی مخالفت کرنے والوں میں سے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری (مرحوم) بھی تھے ۔ دوست اور دشمن ان کے اخلاص اور تقویٰ کے معترف تھے ۔ لیکن جماعتِ اسلامی نے ان کے خلاف کیا کیا رکیک الفاظ استعمال کئے تھے ' اس کا نمونہ جماعت اہلحدیث کے ترجمان ہفت روزہ " الاعتصام " نے اپنی ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء کی

اشاعت میں یوں پیش کیا تھا۔ سنئے :۔

" جاہل ' بہتان طراز ' مفتری ' اخلاقی تعلیمات سے بے بہرہ ' تقویٰ ' تقدس ' للّٰہیت اور تقرب الی اللہ کا ڈھونگ رچانے والے ' فریبی ' جھوٹے ' مذبوحی حرکتیں کرنے والے ' علم و اخلاق سے بے تعلق ' فاسد ذہنیت کے مالک ' پیشہ ور دیندار ' عقل کے اندھے ' غیر ذمہ دار ' خدا اور مخلوق کی شرم سے بے بہرہ ' بے حیا ' بیوقوف ' گھناؤنے اور مکروہ اخلاق کے مالک ' دیوبند کی چراگاہ سے نکلے ہوئے ' فریبی ' دجل و کذب کے مالک ' کفن چور ' افیونی ' شوریدہ سر وغیرہ وغیرہ۔ "

چنانچہ جماعتِ اسلامی کے مختلف اخبارات و رسائل میں نظم و نثر میں جو جوابات دیئے گئے خود دیوبند والے اس کا جواب دینے سے عاجز آ گئے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کا رسالہ دارالعلوم بابت جون ۱۹۵۲ء رقمطراز ہے :۔

" مودودی صاحب کی تحریروں اور دینیات میں ان کے خاص طرز فکر سے جماعتِ دیوبند کو اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کو ہم رسالہ " دارالعلوم " کے کئی مضامین میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش بھی کر چکے ہیں۔ ان مضامین کے بعد بھی اگر ہمارا یہ اختلاف کسی کی نظر میں تشریح و تفصیل کا محتاج ہو تو وہ دارالعلوم کے ادارہ تصنیف و تالیف کے وہ رسائل دیکھ سکتا ہے جو اس سلسلہ میں حال ہی میں تیار ہوئے ہیں۔ مودودی صاحب کے ہمنوا اخبارات اور رسائل نے ہمارے اس اصولی اور دینی اختلاف کے سلسلہ میں اخباری مضامین کی ایک زبردست مہم شروع کر رکھی ہے۔ ان حضرات کے فکر و عمل کی نبضیں ٹٹولنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی اچھی تحریک کی کامیابی کے لئے اس کے پسِ پشت کسی اچھے عقیدے ' اچھے دماغ ' اچھے کردار اور اچھی تاریخ کی اتنی ضرورت نہیں سمجھتے جتنی تحریر بازی ' قلمکاری ' انشا پردازی اور اصولی مباحث میں بھی زائد سے زائد الفاظ کے استعمال کی خیال کرتے ہیں اور یہ دیکھ کر کہ اس فکر کے چیدہ چیدہ حضرات کے پاس بھی الفاظ اور بے معنی الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں ' ہم نے پہلے دن سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ ان مضامین کا ہم کوئی جواب نہیں دیں گے جو اصولی حیثیت نہیں رکھتے۔ "

علماء اور جماعت اسلامی کے درمیان جو یہ مہم چل رہی تھی تو اسی دوران تبلیغی جماعت کی ایک مشہور و معروف ہستی مولانا منظور نعمانی صاحب نے انہیں "اکرام مسلم" کا خیال رکھنے کا مشورہ دیا تاکہ ان کی چپقلش کہیں زیادہ خطرناک صورت اختیار نہ کر جائے۔ ان کے مشورہ پر تو کیا عمل کیا جاتا' اُلٹا انہیں اپنی تبلیغی جماعت کے لئے "بدھ مت کے بھکشو" کی پھبتی سننی پڑی۔ چنانچہ اس مشورہ کا جماعت کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

"ان کا منشاء یہ ہے کہ جو فساق و فجار اور علمبرداران بدعت و ضلالت مسلمانوں کے بھیس بدل کر کام کر رہے ہیں' اول تو ان سب کی تعظیم و تکریم کرو اور ان کے خلاف زبان کھولو ہی نہیں اور اگر اس پر تم صبر نہیں کر سکتے تو ان پر علی الاعلان نکیر نہ کرو' بلکہ ان کی کوٹھیوں پر حاضری دے کر عاجزی و مسکنت کے ساتھ دست بستہ کچھ خدا رسولؐ کی باتیں عرض کر دیا کرو۔ مولانا کی اپنی جماعت کا رویہ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ یہی ہے۔ اس نے نہ ہندوستان میں کبھی ان لوگوں کے خلاف آواز اُٹھائی جن کی بدولت وہاں بے دینی کا طوفان اُٹھ رہا ہے اور نہ اسے پاکستان میں کبھی یہ توفیق ہوئی کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر یہاں کی قیادتِ فاسقہ کے خلاف قولاً یا عملاً کچھ کرتی۔ اسی وجہ سے یہ جماعت پاکستان میں بھی حکومت اور حکام کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں کے فرمانروا دل سے یہ چاہتے ہیں کہ "مذہب" کے لئے اگر کچھ کام کیا جائے تو اسی جماعت کے طریقہ پر کیا جائے اور اسی وجہ سے جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس جماعت کی سرگرمیاں ہندوستان کی حکومت کی نگاہوں میں کبھی نہیں کھٹکیں۔ کیونکہ بودھ مذہب کے بھکشوؤں کی طرح کام کیا جائے تو اس پر چنگیز خانی سلطنت کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

(ترجمان القرآن۔ بابت نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۳۹/۶۷)

حواشی باب دوم

۱۔ قائداعظمؒ اور ان کے رفقاء سے مراد ہے۔

۲۔ مراد حنفی فقہ کی کتابیں ہیں ۳۔ مراد حنفی ائمہ ہیں۔

۴۔ مودودی صاحب کے چیلے چانٹوں نے (مثلاً) مولانا احمدؒ علی مرحوم کے خلاف جو "مہذب" زبان استعمال کی تھی اس کا نمونہ ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا۔ مودودی صاحب کا انداز ہی یہ ہے کہ وہ مخالف کے مقابلہ میں خود تو مہذب بنے رہتے ہیں لیکن اپنے حاشیہ برداروں کو ششکار کر ان کے پیچھے لگا دیتے ہیں کہ وہ انہیں جو جی میں آئے کہیں۔

۵۔ اس احترام کی مثال پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے جو کچھ مودودی صاحب نے زمرۂ علماء کے متعلق فرمایا تھا کیا مفتی کفایت اللہ صاحب اس کی زد سے محفوظ رہے تھے؟

تیسرا باب

تفہیم القرآن جلد اوّل پر ایک نظر

عرب شاعروں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی کی شان میں قصیدہ کہتے تھے، تو اس کی ابتداء اپنی معشوق یا حسین عورتوں کی تعریف سے کرتے تھے۔ ان عاشقانہ اشعار میں شدّتِ عشق و فراق کی شکایت کرنے کے بعد ان حسین عورتوں کے ایسے ایسے اوصاف بیان کئے جاتے کہ ہر آنے جانے والا سب کچھ چھوڑ چھاڑ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عاشقانہ اشعار سے سب کو دلچسپی ہوتی ہے اور کوئی لاکھ چھپائے ہر سلیم الفطرت انسان کو عورت سے محبت ہوتی ہے، چاہے یہ محبت جائز طریقے پر ہو یا ناجائز طریقے پر۔ چنانچہ ان عاشقانہ اشعار کے ذریعے جب بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو جاتا تو پھر شاعر اپنے ممدوح کی تعریف شروع کر دیتا اور اس کی شان اپنی معشوقہ سے بھی اونچی ثابت کر دکھاتا۔ قارئین سوچتے ہوں گے کہ اس تمہید کا قرآنِ مجید کی تفسیر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آج کل جماعتِ اسلامی والے ٹھیک اسی اصول پر عمل پیرا ہو رہے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جماعت کے آدمی بیٹھے بیٹھے ملک کے مشہور قانون دان مسٹر اے۔ کے۔ بروہی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیں گے کہ صاحب، موصوف پاکستان کے نہ صرف سب سے اونچے قانون دان ہیں بلکہ وہ ایک عظیم مفکر اور فلسفی بھی ہیں۔ پاکستانی دستور پر ان کی کتاب دنیا کی بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ وہ پاکستان کے وزیر قانون بھی رہ چکے ہیں اور اقوام متحدہ میں بھی ان کی فکر کی گونج سنائی دیتی رہی ہے، وغیرہ وغیرہ اور اس کے بعد فوراً اپنے مطلب کی طرف آ جائیں گے کہ ان جیسی بین الاقوامی ہستی نے مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کی شان میں فرمایا ہے کہ صدیوں سے ایسی شاندار تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اب مودودی صاحب کی تفسیر راقم کی نظر سے گذر چکی تھی۔ اور اس میں "جو کچھ" ہے اس کی بنا پر

راقم نے یہ دعویٰ کر دیا کہ مسٹر اے ' کے ' بروہی نے تفہیم القرآن کا بالکل مطالعہ نہیں فرمایا ۔ کیونکہ اس کے مطالعہ کے بعد کوئی سلیم الفطرت آدمی اس کی تعریف نہیں کر سکتا ' چہ جائیکہ وہ پاکستان کا سب سے اعلیٰ قانونی دماغ ہو ۔ چنانچہ راقم نے جن بنیادوں پر یہ دعویٰ کیا تھا انہیں قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے ۔

قرآنِ مجید کی ہزاروں تفاسیر لکھی جا چکی ہیں اور اگر کوئی صاحبِ علم کسی زمانے میں اس پر مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ اُس دور کے تقاضے کچھ بدل جاتے ہیں جس کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں ' وہ ان کا حل قرآنِ مجید کی روشنی میں پیش کرتا ہے ۔ عقائد مثلاً توحیدِ باری تعالیٰ ' رسالت اور معاد یعنی قیامت پر ایمان وغیرہ تو ایسے عنوانات ہیں کہ قرآنِ مجید کی تفاسیر ان کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہیں اور مودودی صاحب کی تفہیم القرآن سے بھی زیادہ عمدہ طریقے پر اور زیادہ مفصل بیان ہو چکے ہیں ۔ اب ان کی تفسیر کی وجہِ جواز صرف یہ رہ جاتی ہے کہ وہ موجودہ معاشرے کو درپیش مسائل کا حل کس طرح پیش فرماتے ہیں ۔ اس لئے اختصار کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم بھی صرف انہی اہم مسائل کو سامنے رکھیں گے جن سے ہمارے معاشرے کی خرابیوں کو دُور کرنے میں مدد ملے یا ملنے کی توقع ہو ۔

نذر ماننا

عام جہالت کی وجہ سے ہمارے عوام میں یہ چیز ایک دینی رسم اختیار کر چکی ہے ۔ یہ نذر اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی مانی جاتی ہے ۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اس اجازت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے غیر اللہ کی نذر بھی ماننی شروع کر دی جو سراسر خلافِ اسلام تھی ۔ چنانچہ علماء نے اس کے خلاف جو آواز اُٹھائی وہ زیادہ تر نذر کی اسی دوسری قسم سے متعلق تھی ۔ مودودی صاحب اس سلسلے میں اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول طبع سوم کے صفحہ نمبر ۲۰۸ پر فرماتے ہیں :-

" نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی مُراد کے بر آنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لے جو اس کے ذمے فرض نہ ہو ۔ اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو اور اللہ سے مانگی گئی ہو اور اس کے بر آنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے وہ

اللہ ہی کے لئے ہو تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے۔"

مودودی صاحبؒ کے اپنے حلقہ کے لوگوں نے انہیں (مودودی صاحب کو) عاشقِ سنّت کا خطاب دے رکھا ہے۔ لیکن یہ عاشقِ سنّت جس طرح سنت سے سلوک کرتا ہے اس کا اندازہ اسی امر سے لگائیں کہ جس چیز سے رسولؐ منع فرماتے ہیں' مودودی صاحب اسے اجر و ثواب کا موجب قرار دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے:-

وعن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النذر وقال انه لا يرد شيئا وانما يستخرج به من البخيل رواه الجماعة الا الترمذي وللجماعة الا ابا داود مثل معناه من رواية ابي هريرة

(نیل الاوطار۔ علامہ شوکانی جلد ۸ صفحہ ۲۴۹)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ہر قسم کی نذر ماننے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کسی چیز کو لوٹاتی نہیں' صرف بخیل آدمی سے کچھ رقم نکالنے کا سبب ضرور ہے۔

اس حدیث کی حیثیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ یہ حدیث کی مشہور چھ صحیح کتابوں (صحاح ستہ) میں سے ترمذی کے سوا سب نے اسے روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد نے اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہؓ سے اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث بھی نقل کی ہے۔ مودودی صاحب دعویٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ سنّت قرآن کی تفسیر کرتی ہے' لیکن جس چیز سے حضورؐ منع فرماتے ہیں اسے وہ اجر و ثواب کا موجب قرار دیتے ہیں' اسے کہتے ہیں سنّت سے عشق۔

قرآن و حدیث کے مطابق طلاق کا صحیح طریقہ

طلاق کی اجازت کے غلط استعمال نے جس طرح ہمارے معاشرہ کو خراب کیا ہے' خود مودودی صاحب کو اس کا احساس ہے کہ اس کے غلط استعمال نے ہمارے ۷۵ فی صد گھروں کو دوزخ کا نمونہ بنا دیا ہے۔ (بحوالہ حقوق الزوجین۔ طبع ششم صفحہ ۹) چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اس کا صحیح طریقہ ان الفاظ میں

بیان فرماتے ہیں :۔

" طلاق کا صحیح طریقہ جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ عورت کو حالت طہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے ۔ اگر جھگڑا ایسے زمانے میں ہوا جبکہ عورت ایام ماہواری میں ہو تو اسی وقت طلاق دے بیٹھنا درست نہیں ہے ۔ بلکہ ایام سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا چاہئے ۔ پھر ایک طلاق دینے کے بعد اگر چاہے تو دوسرے طہر میں دوبارہ ایک طلاق اور دے دے ' ورنہ بہتر یہی ہے کہ پہلی ہی طلاق پر اکتفاء کرے ۔ اس صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدّت گزرنے سے پہلے پہلے جب چاہے رجوع کر لے ۔ اور اگر عدّت گزر بھی جائے تو دونوں کے لئے موقع باقی رہتا ہے کہ پھر باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر لیں ۔ لیکن تیسرے طہر میں تیسری بار طلاق دینے کے بعد نہ تو شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ اس کا ہی کوئی موقع رہتا ہے کہ دونوں کا پھر نکاح ہو سکے ۔ رہی یہ صورت کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں جیسا کہ آجکل جہلاء کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رُو سے سخت گناہ ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی مذمّت فرمائی ہے اور حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا آپ اس کو دُرّے لگاتے تھے ۔ (صفحہ ۱۷۴)

آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے قرآن و حدیث کے مطابق طلاق کا صحیح طریقہ تو بیان فرما دیا ہے ' لیکن ہمارے ہاں جو غلط طریقہ رواج پا گیا ہے اسے کیسے ختم کیا جا سکتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ ان خرابیوں کا سدِّباب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے کر عورت کو جُدا کر دینے پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں جن کی وجہ سے لوگ اس فعل کا ارتکاب نہ کر سکیں ۔ " (بحوالہ حقوق الزوجین ۔ صفحہ ۱۵۵ ۔ طبع ششم)

قرآن و حدیث کے مطابق طلاق کا صحیح طریقہ حنفی مذہب کے خلاف ہے!

قیامِ پاکستان کے بعد حکومت کے لئے ممکن ہو گیا کہ وہ اس قسم کی پابندیاں لگائے ۔

لیکن جونہی یہ پابندیاں نافذ کی گئیں اور طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا تو مودودی صاحب کی سیاسی مجبوریوں نے انہیں مخالفت پر مجبور کر دیا' اور قارئین حیران ہوں گے کہ اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں طلاق کے جس طریقے کو قرآن و حدیث کے مطابق قرار دیا تھا' یکایک اس کی مخالفت کرنے لگے اور اب قرآن و حدیث اور اپنی تفسیر کو نظر انداز کرتے ہوئے اسی صحیح طریقہ کو حنفی فقہ کے خلاف قرار دے دیا۔ انہی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:۔

"بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دیئے گئے ہوں تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور مطلقہ عورت سے اس کا سابقہ شوہر نہ تو مدتِ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی تحلیل نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد امام ابو حنیفہ" اور مذہبِ حنفی کے ائمہ و فقہاء کے علم و تقویٰ پر ہے وہ اعتماد آجکل کے قانون سازوں پر نہیں ہے۔"

(بحوالہ عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات۔ صفحہ ۱۸' ۱۹)

قارئین سوچتے ہوں گے کہ جس وقت مودودی صاحب نے تفہیم القرآن لکھی تھی اس وقت شاید ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی نہیں ہو گی کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے مطابق طلاق کا صحیح طریقہ اپنی تفسیر میں بیان کر دیا تھا۔ نہیں یہ غلط فہمی بالکل نہیں ہونی چاہئے۔ اس وقت بھی ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی تھی اور انہوں نے مودودی صاحب کی اس تفسیر پر اعتراض بھی کیا تھا۔ خیال رہے کہ مودودی صاحب کی تفہیم القرآن پہلے قسط وار اُن کے رسالے ترجمان القرآن میں شائع ہوتی رہی تھی۔ لیکن مودودی صاحب نے حنفی فقہ کی تضحیک کرتے ہوئے ان حنفی علماء کو جو ڈانٹ پلائی تھی وہ خود انہی کی زبانی سنئے:۔

حنفی فقہ کی کتابوں کی تضحیک

"قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گناہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو؟ کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبیؐ کی سنّت تمہارے پاس اس لئے تھی کہ تم اس کو لئے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں؟ ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا تم کو کیا حق تھا کہ اسے مشکل بنا دو؟ ہم نے تم کو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تھا، تم پر یہ کس نے فرض کیا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو؟ ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں لکھا تھا تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو؟ اس باز پرس کے جواب میں اُمید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ، اور عالمگیری کے مصنّفوں کے دامن میں پناہ مل سکے گی۔" (حقوق الزوجین۔ صفحہ ۹۸۔ طبع ششم)

لیکن سیاست بازی نے انہیں یہ دن دکھایا کہ وہ خود یہ نعرہ لگانے لگے کہ قرآن و حدیث کے مطابق طلاق کے صحیح طریقہ کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ کیونکہ یہ حنفی فقہ کے خلاف ہے اور ساتھ ہی حنفی فقہ کی انہی کتابوں کے مصنّفوں کے دامن میں پناہ بھی لے لی جن کی وہ کسی زمانے میں تضحیک کر چکے تھے۔

تحلیل یا حلالہ

طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس کا حنفی فقہ کے مطابق جواز تلاش کرتے ہوئے لفظ تحلیل کا بھی ذکر تھا، جس کے متعلق ہم نے اشارہ کیا تھا کہ حنفی فقہ کے مطابق اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہ اسی "حلالہ" کا معصوم نام ہے جو طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس کا فطری نتیجہ ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس پر جس گھناؤنے طریقے سے عمل ہوتا رہا ہے اکثر قارئین کو اس کا اندازہ ہو گا۔ یہ کوئی جاہل مولویوں کی کاروائی نہیں ہوتی تھی بلکہ حنفی مذہب کے جن فقہاء کے علم و تقویٰ کا واسطہ دے کر مودودی صاحب طلاقِ ثلاثہ بیک

مجلس کا جواز پیش کرتے ہیں انہی کتابوں میں اس کا جواز ان الفاظ میں موجود ہے :-

" واذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه لقوله عليه السلام لعن الله المحلل والمحلل له وهذا هو محمله فان طلقها بعد وطيها حلت للاول لوجود الدخول في نكاح صحيح " (ہدایہ اولین مجیدی صفحہ ۳۷۶)

(ترجمہ) یعنی اگر حلالہ کی شرط سے کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ ایک مکروہ فعل ہے کیونکہ حضورؐ نے حلالہ کرنے اور کرانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی ہے اور اس سے مراد یہی حلالہ ہے۔ تاہم اگر اس (حلالہ کے نکاح) کے بعد کوئی شخص عورت سے مباشرت کے بعد اسے طلاق دے دے، تو وہ پہلے طلاق دینے والے شخص کے لئے حلال ہو جائے گی کیونکہ دخول نکاح صحیح میں ہوا ہے۔

اب تفہیم القرآن کے مصنّف حنفی فقہاء کے علم و تقویٰ کا واسطہ دیتے ہوئے اور ان کی کتابوں کے دامن میں پناہ لیتے ہوئے اسے جائز قرار دے رہے ہیں۔ اور بے چارے یہ بھول گئے کہ کسی زمانے میں وہ اپنی تفسیر میں اس بارے میں یہ بھی لکھ چکے ہیں:-

" احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لئے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اس کا نکاح کرائے اور پہلے سے یہ طے کرے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دے گا تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے۔ ایسا نکاح، نکاح نہ ہو گا بلکہ محض ایک بدکاری ہو گی اور ایسے سازشی نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی۔ حضرت علی اور ابن مسعود اور ابوہریرہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ "

(تفہیم القرآن جلد اول۔ طبع سوم۔ صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷)

سُود، فوجداری جرم ہے

سُود کی حرمت پر بحث کرتے ہوئے اپنی تفسیر کے صفحہ ۲۱۸ پر اسے فوجداری جرم قرار دیا ہے اور اس کی حُرمت پر عقلی دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

CamScanner

"تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان محنت ' ذہانت اور وقت صرف کر کے اس کا فائدہ لیتا ہے ' مگر سُودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریکِ غالب بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلالحاظ نفع و نقصان اور بلالحاظ تناسب نفع اپنے طے شدہ منافع کا دعویدار ہوتا ہے۔" (صفحہ ۲۱۳)

سُود اور منافع کا فرق کیسے شاندار اور جچے تلے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو یہاں بھی مودودی صاحب طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس کی طرح خود اپنی تفسیر کے خلاف راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سُود صرف وہی کچھ ہے جو بنکوں میں لیا دیا جاتا ہے۔ بصورت دیگر اسی رقم مثلاً دس ہزار روپے کو بنک میں جمع کرانے کی بجائے اس سے کوئی اراضی وغیرہ خرید کر کسی دوسرے کو بٹائی پر دیدے اور پھر گھر بیٹھے بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریکِ غالب بن جائے تو یہ ان کے نزدیک اس حد تک جائز ہو جاتا ہے کہ جو اہلِ علم اسے ناجائز سمجھتے ہیں ان کا منہ بند کرنے کے لئے ایک پوری کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" تصنیف فرماتے ہیں۔ اب زمین کی بٹائی جو خود مودودی صاحب کی سود کی تعریف کے مطابق سود ہی قرار پاتی ہے ' کوئی نیا مسئلہ تو تھی نہیں۔ صدر اسلام میں اس کا وجود تھا اور خود رسول اللہ صلعم نے اسے سُود قرار دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو سنن ابو داؤد۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۳ صفحہ ۳۵۵)۔ بلکہ آپؐ نے تو یہاں تک تنذیر فرمائی تھی کہ جو بٹائی چھوڑنے پر تیار نہ ہو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جائے۔ (**من لم یذر المخابرہ فلیاذن بحرب من اللہ و رسولہ** (ایضاً) خیال رہے کہ قرآنِ مجید میں سُود کی حُرمت کے لئے یہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن مودودی صاحب تو عاشقِ رسولؐ ہیں۔ آخر انہیں اس عشق کا اتنا فائدہ تو ہونا چاہئے کہ وہ حضورؐ کی سُود قرار دی ہوئی ایک دو چیزوں کو جائز قرار دے سکیں۔

رہن اور سُود

تفہیم القرآن میں سُود کی بحث کے آخر میں ایک ایسا معاملہ بھی آ جاتا ہے جو زمین کی بٹائی یا مکان کے کرائے سے کمتر حیثیت کا ہے۔ یہ ہے رہن شدہ مکان سے فائدہ حاصل کرنا۔ اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی شخص رہن لئے ہوئے مکان میں خود رہتا ہے یا اس کا کرایہ کھاتا ہے تو دراصل سُود کھاتا ہے۔ قرض پر براہِ راست سُود لینے اور رہن لی ہوئی چیز سے فائدہ اُٹھانے میں اصولاً کوئی فرق نہیں۔" (صفحہ ۲۲۲)

جزاک اللہ۔ آخر بنک کے سود کے علاوہ کسی دوسری صورت کو مودودی صاحب نے سُود قرار دے ہی دیا۔ لیکن اگر وہ ذرّہ بھر خیال کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جس معاملہ کو وہ بھی سُود قرار دے رہے ہیں وہ زمین کی بٹائی اور مکان کے کرائے سے ہلکا ظلم ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کا دس ہزار روپے کا مکان پانچ سال کے لئے رہن رکھتا ہے، تو اس کے لئے اس مکان سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا حرام ہے۔ اور پانچ سال بعد جب اسے اپنی رقم ملے گی تو اس کی دس پندرہ فی صد بازاری قیمت کم ہو چکی ہو گی۔ لیکن اگر وہ صاحب دس ہزار میں کوئی مکان خرید لیتا ہے اور ایک سو روپے ماہوار کرایہ پر اُٹھا کر پانچ سال میں گھر بیٹھے بغیر کسی محنت و مشقت کے صرف سرمایہ کے زور پر چھ ہزار روپے کرایہ وصول کر لیتا ہے، تو وہ کیسے جائز ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ صاحب بغیر کسی محنت و مشقت کے نہ صرف کرائے کی صورت میں اتنی بڑی رقم وصول کر لیں گے بلکہ اس عرصے میں ان کے مکان کی بازاری قیمت میں بھی دس پندرہ فی صد اضافہ ہو چکا ہو گا۔ کیسی شاندار قرآنی فکر ہے، کہ اس رقم پر ہزار ڈیڑھ ہزار کا خسارہ ہو جائے تو اس سے فائدہ حاصل کرنا سُود، لہٰذا حرام لیکن اگر اس سے گھر بیٹھے بغیر کسی محنت و مشقت کے سات آٹھ ہزار کا فائدہ حاصل کر لیا جائے تو جائز اور اسے سُود قرار دینے والے کا مقام اسلام کی سرحد سے باہر اور جائز قرار دینے والا مفکر اسلام۔

نکاح ایک معاہدہ ہے

واخذن منکم میثاقا غلیظا (اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں) کی تفسیر کرتے

ہوئے فرماتے ہیں :-

" پختہ عہد سے مراد نکاح ہے ' کیونکہ وہ حقیقت میں ایک مضبوط پیمانِ وفا ہے جس کے استحکام پر بھروسہ کر کے ہی ایک عورت اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالے کرتی ہے۔ اب اگر مرد اپنی خواہش سے اس کو توڑتا ہے تو اسے وہ معاوضہ لینے کا حق نہیں ہے جو اس نے معاہدہ کرتے وقت پیش کیا تھا۔ " (صفحہ ۳۳۵)

اب قانوناً نابالغ کا معاہدہ چونکہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور کوئی عورت اس کے استحکام پر بھروسہ نہیں کر سکتی اس لئے قرآنِ مجید کی رُو سے نابالغ کا نکاح صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ صغر سنی کی شادی کی مخالفت کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن نے فرمایا :-

" اس بات کی سخت ضرورت ہے۔ کم سنی کے نکاحوں کی روک تھام کی جائے اور کم ازکم ایسے نکاحوں کو لازم قرار نہ دیا جائے۔ کیونکہ اکثر لڑکے جن سے ابتداء میں اچھی توقعات قائم کی جاتی ہیں آگے چل کر سخت بداخلاقیوں ' بُری عادتوں اور فاسد اعتقادات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ " (حقوق الزوجین۔ طبع ششم صفحہ ۱۱۹)

مال نابالغ کے سپرد نہ کیا جائے

ان کے اس مسلک کی تائید ان کی اس تفسیر سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے **"وابتلوا الیتٰمٰی حتی اذا بلغوا النکاح"** (اور یتیموں کو آزماؤ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں) کے ذیل میں فرمائی ہے :-

" مال ان کے حوالہ کرنے کے لئے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں۔ ایک بلوغ دوسرے رُشد ' یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت۔ پہلی شرط کے متعلق تو فقہائے اُمّت میں اتفاق ہے۔ دوسری شرط کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر سنِ بلوغ کو پہنچنے پر یتیم میں رُشد نہ پایا جائے ' ولی یتیم کو زیادہ سے زیادہ سات سال اور انتظار کرنا چاہئے پھر خواہ رُشد پایا جائے یا نہ پایا جائے اس کا مال اس کے حوالے کر دینا چاہئے۔ اور امام ابو یوسف ' امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ مال حوالہ کئے جانے کے لئے بہرحال رُشد کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ " (صفحہ ۳۲۳)

مودودی صاحب کی اس تفسیر کی روشنی میں ہر سلیم الفطرت آدمی یہ حقیقت باآسانی

سمجھ سکتا ہے کہ شریعت اسلامی جب چند دنوں میں فنا ہو جانے والے مال کے بارے میں اس قدر محتاط ہے 'کہ جب تک اس کا مالک بالغ اور اس کے استعمال کا اہل نہ ہو جائے اس کے حوالے نہ کیا جائے تو وہ کس طرح یہ اجازت دے سکتی ہے کہ کسی عورت کو ایسے نابالغ لڑکے کے حوالے کیا جائے جس کے ساتھ اس نے ساری عمر گزارنی ہے۔

لیکن جب حکومت نے مودودی صاحب کی اس تفسیر کے مطابق صغرسنی کی شادی پر کچھ پابندیاں عائد کیں تو مودودی صاحب بھڑک اُٹھے اور ان پابندیوں کو خلافِ قرآن قرار دے دیا۔اب ان کا فرمانا یہ تھا کہ:۔

"یہ قرآن کے صریح حکم کے خلاف اور ان مصالح سے متصادم ہے جنہیں شریعت نے اہمیت دی ہے۔ قرآنِ مجید میں بالفاظ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا جس کو ابھی تک حیض نہ آیا ہو۔"

(عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات۔ صفحہ ۱۹)

مودودی صاحب کا یہ دعویٰ سامنے آتے ہی ہم حیران ہو گئے کہ یا الٰہی یہ الفاظ تفہیم القرآن کے مصنف کی زبان سے نکل رہے ہیں کہ جن کی تفسیر کے مطابق صغرسنی کا نکاح ہی جائز قرار نہیں پاتا۔ قرآن کی آیت **و اللتی لم یحضن** کے جو معنی یعنی "جس کو ابھی تک حیض نہ آیا ہو" بھی ہمارے لئے ایک نئی چیز تھی۔ اس مطلب کے لئے ہم نے قرآنِ مجید کے موجود تمام ترجمے دیکھے ان تمام میں اس آیت کے ایک ہی معنی دیئے ہوئے تھے "کہ جن عورتوں کو حیض نہ آ سکا ہو" مودودی صاحب نے حکومت کی مخالفت میں اپنی تفسیر سے تو منہ موڑا ہی تھا لیکن ساتھ ہی اس آیت کے صحیح معانی پر بھی ہاتھ صاف کر ڈالا۔

وفات ٹیکس

مسئلہ وراثت کی تفسیر کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

"اور اب ان پُرانی بغاوتوں کے ساتھ تازہ ترین بغاوت یہ ہے کہ بعض مسلمان ریاستیں 'اہل مغرب کی تقلید میں "وفات ٹیکس" (Death Duty) اپنے ہاں رائج کر رہی ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ میت کے وارثوں میں ایک وارث حکومت بھی

ہے۔ جس کا حصّہ رکھنا اللہ میاں بھول گئے تھے" (صفحہ ۳۳۱)

محترم مفسر کو واضح کرنا چاہئے تھا کہ جب وہ اسلامی ریاست میں دوسرے ٹیکس لگانے کی اجازت دیتے ہیں تو ان میں آخر وفات ٹیکس (Death Duty) کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ لیکن اس کے لئے آپ نے کوئی دلیل نہیں دی۔ حالانکہ اسلامی ریاست میں دوسرے ٹیکسوں کی شرعی بنیاد تو نہیں ملتی لیکن وفات ٹیکس کی کسی حد تک مل جاتی ہے۔ خیال رہے کہ اس ٹیکس کا اطلاق لاکھوں والی جائیداد پر ہوتا ہے۔ اور اسلام سرے سے یہ چاہتا ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اتنی بڑی جائیداد چھوڑ جائے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ **من ترک عشرہ الاف درھم جعلت صفائح یعذب بھا یوم القیامتہ** (احکام القرآن۔ للجصاص۔ جلد ۳ صفحہ ۱۲۲) کہ جس نے ترکے میں دس ہزار درہم چھوڑے وہ اس کے لئے چوڑے پتھر بنا دیئے جائیں گے جن سے قیامت کے دن اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف آتے ہیں۔ حضورؐ نے جو دولت پر یہ حد لگائی تو آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مسلمان بغیر محنت کے اتنی بڑی دولت کا مالک یا وارث بن جائے اور اسے عیش و عشرت میں اُڑا دے، چنانچہ آپؐ نے اپنے دوسرے فرمان میں ایسے لوگوں کو بدترین انسان قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"شرار امتی ولدوا فی التنعیم و غذوا بہ یاکلون من الطعام الوانا ویلبسون من الثیاب الوانا ویرکبون من الدواب الوانا ویتشدون فی الکلام۔"

(ترجمہ) میری اُمّت کے بدترین افراد وہ ہیں جو نعمتوں کی گود میں پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں پروان چڑھے، قسم قسم کے کھانے کھاتے ہیں، طرح طرح کے لباس پہنتے ہیں۔ قسم قسم کی سواریاں (یعنی نئے نئے ماڈل کی کاریں) استعمال کرتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔ (یہ حدیث الحاکم اور مستدرک میں عبداللہ بن جعفر کی روایت سے منقول ہے اور شعب الایمان میں امام بیہقی نے حضرت فاطمۃؓ الزہراء بنت الرسولؐ کی زبانی اسے تھوڑے سے لفظی اختلاف سے بیان کیا ہے)۔

حضورؐ کے ان ارشادات کی روشنی میں ہمارے خیال میں تو آپؐ کی مقرر کردہ حد

سے جتنی رقم بھی زیادہ ہو وہ اسلامی حکومت اپنے تصرف میں لے سکتی ہے۔ اس سے ایک تو صاحبِ مال عذاب سے بچ جائے گا اور دوسرے اُمّت میں بدترین افراد کے پنپنے کا امکان کم ہوتا جائے گا۔

لونڈیوں سے تمتّع

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کے سلسلے میں قرآن کے آخری احکام کہ یا تو انہیں قیدیوں کے بدلے یا بطور احسان رہا کردو۔ (سورۃ محمد۔ ۴) مودودی صاحب کے سامنے نہیں۔ معلوم نہیں وہ اس واضح قرآنی حکم کی کیا تاویل کرتے ہیں کہ اس کے مخالف جنگ میں دشمن کی پکڑی ہوئی عورتوں سے تمتّع کی کُھلی اجازت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"جنگ میں پکڑی ہوئی عورتوں سے تمتّع کے معاملے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اہل کتاب ہی میں سے ہوں۔ ان کا مذہب خواہ کوئی ہو' بہرحال جب وہ تقسیم کردی جائیں گی تو جن کے حصّہ میں وہ آئیں وہ ان سے تمتّع کرسکتے ہیں۔ (صفحہ ۳۴۰)

اس موضوع پر اگرچہ مولانا نے اپنی تفہیم القرآن میں سب سے زیادہ لمبی بحث کی ہے لیکن اختصار کے مدنظر ہم ان کا صرف ایک اور اقتباس نقل کرتے ہیں:۔

"جس طرح شریعت نے بیویوں کی تعداد پر چار کی پابندی لگائی ہے' اسی طرح لونڈیوں کی تعداد پر نہیں لگائی۔ لیکن اس معاملے میں کوئی حد مقرر نہ کرنے سے شریعت کا منشا یہ نہیں تھا کہ مال دار لوگ بے شمار لونڈیاں خرید خرید کر جمع کرلیں اور اپنے گھر کو عیاشی کا گھر بنالیں۔ بلکہ درحقیقت اس معاملہ میں عدم تعین کی وجہ جنگی حالات کا عدم تعین تھا۔"

لونڈی سے نکاح کا قرآنی حکم

مودودی صاحب تو بغیر نکاح کے لونڈی سے تمتّع کی اجازت دے رہے ہیں (ایضاً) لیکن قرآنِ مجید اُن سے نکاح کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ مثلاً **او ماملکت ایمانکم** کے ذیل میں خود تفہیم القرآن کے مصنّف فرماتے ہیں "یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو

تمہارے قبضہ میں آئی ہیں" (صفحہ ۳۲۱)۔ یہ آیت اپنی لونڈی سے بغیر نکاح کے مباشرت کو واضح طور پر ناجائز قرار دے رہی ہے۔

اور آگے چلئے۔ لونڈی سے نکاح کے قرآنی حکم کے سلسلے میں ایک دوسرے مقام پر **فانکحو ھن باذن اھلھن** یعنی خاندانی عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو کسی لونڈی سے اس کے مالکوں کی اجازت لے کر نکاح کر لینے کی سہولت (صفحہ ۳۴۳) اگر مالک خود ہی اس سے بلانکاح مباشرت کر رہا ہے، تو پھر دوسرے لوگوں سے نکاح کے کیا معنی۔

بعض اوقات مودودی صاحب بھی بڑی سادہ لوحی سے کام لیتے ہیں۔ جب وہ ان لونڈیوں کو بغیر نکاح کے مالکوں کی بیویاں قرار دے چکے ہیں تو کونسا ایسا بے وقوف مالک ہو گا کہ جو اپنی بیویوں کے دوسروں سے نکاح کی اجازت دے گا۔ اور خود کو مودودی صاحب کی عطا کردہ "تمتع کی نعمت" سے محروم کرے گا۔

لونڈیاں دورِ ملوکیت کا تحفہ ہیں

لونڈیاں دورِ ملوکیت کا تحفہ ہیں، اور دنیا دار علماء نے بادشاہوں کی خواہشات کے مطابق فتوے دے دیئے تھے۔ آج بھی بعض مسلمان ممالک میں غلامی کا رواج ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب جب ارض القرآن کے سفر پر نکلے تو بنفس نفیس اس کی تحقیق کی۔ انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:-

"بعض عرب ممالک میں اس زمانے میں غلاموں اور لونڈیوں کا رواج ہے۔ شیخ عفیفی نے بتایا کہ یہاں جو غلام اور لونڈیاں آتی ہیں وہ یا تو مسقط اور عمان کی طرف سے آتی ہیں یا لبنان کی طرف سے۔ ان کے جواز کی وجہ صرف یہ بیان کی جاتی ہے کہ غلام یا لونڈی آ کر کہتی ہے کہ میں لونڈی ہوں اور میرے آباؤ اجداد قدیم زمانے سے غلام چلے آتے ہیں۔ اس کے صرف اس بیان پر اسے خرید لیا جاتا ہے۔ اور اس کے لانے والے سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ وہ اسے کیسے لایا ہے۔ وہ اسے لالچ دے کر بھی لا سکتا ہے، ڈرا کر بھی لا سکتا ہے اور اس کے ماں باپ سے خرید کر بھی لا سکتا ہے۔ ہاں اگر لونڈی یا غلام کہہ دے کہ مجھے زبردستی لونڈی یا غلام بنایا گیا ہے تو اسے

آزاد کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آخر وہ یہ بات کہہ کیسے سکتی ہے۔ آزاد ہو کر وہ تنہا جائے گی کہاں؟ اس پر شیخ عفیفی خاموش ہو گئے۔ انہوں نے پھر بتایا کہ لونڈیوں کے جواز پر بعض لوگ فقہاء کی کتابوں سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ کافر کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ کافر خود بھی اپنے آپ کو فروخت کر سکتا ہے۔ اور اپنے بیٹے یا بیٹی کو بھی فروخت کر سکتا ہے۔ لہٰذا، اسے یا اس کے بیٹے بیٹی کو خریدا جا سکتا ہے۔ گویا "الابلا بر سرِ ملّا" والا معاملہ ہے۔" (سفرنامہ ارض القرآن صفحہ ۱۱۴)

لونڈیاں بنانے کا یہ طریقہ خود مودودی صاحب کی تفسیر کے بھی خلاف تھا۔ اس لئے قارئین منتظر ہوں گے کہ شاید مودودی صاحب نے اس کی مذمت کی ہو۔ حاشا و کلّا آپ نے تو بلکہ اس حکومت کو خراج تحسین پیش کیا کہ وہ دنیا کی واحد اسلامی حکومت ہے۔ اپنے دورہ کے آخر میں آپ نے سعودی عرب والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ یہاں ایسی حکومت قائم ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو اپنے فرائض میں شمار کرتی ہے۔ آپ کے اس علاقے کے سوا دنیا میں کوئی مسلمان حکومت بھی ایسی نہیں جو اپنے فرائض میں اس چیز کو شمار کرتی ہو۔"

(صفحہ ۱۸۶)

مودودی صاحب کا یہ سفرنامہ اگست ستمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ٹھیک انہی دنوں جب یہ مارکیٹ میں آیا تو جماعت اسلامی کے ترجمان سہ روزہ ایشیاء نے اپنی ۹ر دسمبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں سعودی عرب کی حکومت کو مثیلِ خلافت راشدہ قرار دے دیا (صفحہ اول)

شکر ہے کہ مودودی صاحب کے یہ لاثانی افکار کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ نہیں ہوئے وگرنہ ہندوستان میں اس وقت محبوس ہماری بہنوں پر اس کا بدترین اثر پڑتا۔

تعدّد ازواج

تفہیم القرآن کے صفحہ ۳۲۲ پر فرماتے ہیں:۔

"جن لوگوں کے نزدیک تعدّد ازواج فی نفسہٖ ایک برائی ہے ان کو یہ اختیار تو ضرور حاصل ہے کہ چاہیں تو قرآن کے برخلاف اس کی مذمّت کریں اور اسے موقوف کر دینے کا

مشورہ دیں ۔ لیکن یہ حق انہیں نہیں پہنچتا کہ اپنی رائے کو خواہ مخواہ قرآن کی طرف منسوب کریں ۔ کیونکہ قرآن نے صریح الفاظ میں اس کی اجازت دی ہے اور اشارۃً و کنایۃً بھی اس کی مذمت میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہو کہ فی الواقع وہ اسے مسدود کرنا چاہتا تھا ۔" (صفحہ ۳۲۲)

مفسرین نے اس آیت (۳،۴) میں النساء سے عام طور پر یتیم لڑکیاں مراد لی ہیں (تفسیر روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۱۷۳) اور بعض ائمہ تفسیر نے اس کی روشنی میں تین امور کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ یعنی تحدید ازواج اور صرف ایک بیوی تک محدود رہنا یا لونڈی سے نکاح کرنا (ایضاً صفحہ ۱۷۵) امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تعدّد ازواج تو کجا کسی ایک عورت سے شادی کے مقابلے میں بھی نفلی عبادت میں مشغول رہنے کو زیادہ افضل قرار دیا ہے ۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳) اور آپ کے استدلال کو امام فخرالدین رازی صاحب تفسیر کبیر اور علامہ الوسی صاحب نے تفسیر روح المعانی میں صحیح تسلیم کیا ہے ۔ نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی مشہور تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ پر فرماتے ہیں کہ تعدّد ازواج کا مسئلہ قرآنِ مجید سے ثابت نہیں ہوتا پس زیادہ صحیح یہ ہے کہ حدیث سے استدلال کیا جائے ۔ اور اس مطلب کے لئے جو احادیث پیش کی جاتی ہیں امام شوکانی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں ۔ (نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۵۰)

علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنی کتاب حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی (مطبوعہ کراچی طبع اول) کے صفحہ ۳۱۷ پر یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ شرعی اجازت کو ایک ہی بیوی تک محدود سمجھتے تھے اور پھر مودودی صاحب جیسے مفسر قرآن حضرات کو یہ تنبیہہ کی ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں یورپ کی نکتہ چینیوں کے بعد مسلمانوں نے بنانی شروع کی ہیں ' ان کا بہترین جواب امام صاحب کا یہ بیان ہو سکتا ہے ۔" امام احمد بن حنبل صرف ایک عورت سے شادی کرنا مستحب سمجھتے تھے کہ تعدّد ازواج سے حرام میں پڑ جانے کا خطرہ ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۴ صفحہ ۱۰)

خیر یہ تو ائمہ تفسیر اور ائمہ فقہ کے فیصلے تھے ' خود حضورؐ کا فیصلہ اس بارے میں قولِ

فیصل ہے۔ جبکہ آپؐ نے منبر نبوی پر رونق افروز ہو کر حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ (بحوالہ بخاری۔ باب ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرہ و الانصاف)

اب اس کے مقابلے میں ایک دفعہ پھر مودودی صاحب کی تفسیر پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان کے طنز کے تیر کہاں کہاں جا کر پڑتے ہیں۔

شیطان کے شاگرد

تفہیم القرآن کے صفحہ ۳۹۹ پر فلیغیرن خلق اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس جگہ جس ردّوبدل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز سے وہ کام لے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا نہیں کیا ہے۔ اور کسی چیز سے وہ کام نہ لے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ تمام افعال جو انسان اپنی اور اشیاء کی فطرت کے خلاف کرتا ہے اور وہ تمام صورتیں جو وہ منشائے فطرت سے گریز کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اس آیت کی رُو سے شیطان کی گمراہ کن تحریکات کا نتیجہ ہیں، مثلاً عملِ قومِ لوطؑ، ضبطِ ولادت، رہبانیت، برہمچرج، مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانا، مردوں کو خواجہ سرا بنانا، عورتوں کو ان خدمات سے منحرف کرنا جو فطرت نے ان کے سپرد کی ہیں اور انہیں تمدن کے ان شعبوں میں گھسیٹ لانا جن کے لئے مرد پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بے شمار افعال جو شیطان کے شاگرد دنیا میں کر رہے ہیں۔ دراصل یہ معنی رکھتے ہیں کہ یہ لوگ خالقِ کائنات کے ٹھیرائے ہوئے قوانین کو غلط سمجھتے ہیں اور ان میں اصلاح فرمانا چاہتے ہیں"۔

عورتوں کے بنیادی حقوق

مسٹر اے۔ کے۔ بروہی جن کی تعریف سے ابتداء کر کے تفہیم القرآن کی عظمت بیان کی جاتی ہے،

اقوام متحدہ میں "انسان کے بنیادی حقوق" کے سلسلے میں کام کرتے رہے ہیں جس

کے نتیجے میں عورتوں کو ہر ملک میں مردوں کے مساوی مواقع فراہم کرنے کی سفارش کی گئی تھی ۔ خود جماعتِ اسلامی والے بھی ان کے اس کارنامے کا ذکر کرتے ہیں ۔ اس طرح سے وہ بھی عورتوں کو تمدن کے ان شعبوں میں گھسیٹ لانے کے مرتکب ہوئے ہیں جو مرد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ۔ اور مودودی صاحب کے اس شاندار لقب " یعنی شیطان کے شاگرد " کے بطریق اولیٰ مستحق قرار پاتے ہیں ۔ کیا فرماتے ہیں جناب بروہی اس کے متعلق ا

حکومتِ پاکستان نے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی ان سفارشات کی روشنی میں جنہیں جناب اے ۔ کے ۔ بروہی صاحب مرتّب کرتے رہے تھے ' پاکستان میں بھی عورتوں کے لئے کام کرنے کے مساوی مواقع فراہم کر دیئے ہیں اور اب وہ اپنی قابلیت کی بنا پر مقابلے کے ذریعے ملک کے اعلیٰ انتظامی عہدے حاصل کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں ۔ جماعتِ اسلامی والے ان بنیادی حقوق کو خلافِ اسلام سمجھتے ہیں اور بار بار تفہیم القرآن سے مودودی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کا حوالہ دیتے ہیں ۔ جس میں ایسا کرنے والوں کو " شیطان کے شاگرد " قرار دیا گیا ہے ۔

ان کے اس فتوے کی تفصیل کے لئے اگر انہی کی زبانی ذرا تفصیل بیان کر دی جائے تو قارئین کو اس مسئلے کے سمجھنے میں آسانی ہو گی ۔ قیامِ پاکستان کے بعد دستور ساز اسمبلی میں آئین کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو مودودی صاحب نے بھی اپنی " دستوری تجاویز " پیش کی تھیں ۔ ان میں ایک شق یہ بھی تھی :-

" مجالسِ دستور ساز کی رکنیت کا حق عورتوں کو دینا مغربی قوموں کی اندھی نقالی ہے ' اسلام کے اصول اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتے ۔ اسلام میں سیاست اور انتظامِ ملکی کی ذمہ داری صرف مردوں پر ڈالی گئی ہے ۔ اور یہ فرائض عورتوں کے دائرۂ عمل سے خارج ہیں ۔ "

عقلی دلیل مانگنے والوں کا مقام اسلام کی سرحد سے باہر ہے

مودودی صاحب کی مذکورہ بالا تجویز پر اہلِ علم اصحاب کی طرف سے اعتراض ہوئے ، تو آپ نے اپنے ماہنامہ " ترجمان القرآن " کی اشاعت بابت ستمبر ۱۹۵۲ء میں ان

اعتراضات کا تفصیلی جواب دیا اور بزعم خود قرآن و حدیث سے ثابت کیا کہ عورتوں کے لئے ملکی انتظامات میں حصہ لینا قطعاً جائز نہیں اور آخر میں لکھا کہ :-

"اگرچہ ہمارے پاس اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں مضبوط عقلی دلائل بھی ہیں اور کوئی چیلنج کرے تو ہم انہیں پیش کر سکتے ہیں ' مگر اول تو ان کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا دوسرے ہم کسی مسلمان کا یہ حق ماننے کے لئے تیار بھی نہیں ہیں کہ وہ خدا اور رسولؐ کے واضح احکام سننے کے بعد ان کی تعمیل کرنے سے پہلے اور تعمیل کے لئے شرط کے طور پر عقلی دلائل کا مطالبہ کرے ۔ تعمیلِ حکم کے لئے عقلی دلائل مانگنے والے کا مقام اسلام کی سرحد سے باہر ہے ۔ نہ کہ اس کے اندر ۔"

مودودی صاحب نے مذکورہ بالا مسئلہ میں اختلاف رکھنے والوں کو جو اپنی تفسیر میں "شیطان کے شاگرد" کے لقب سے نوازا تو شاید بعد میں انہیں خیال آیا کہ یہ لقب تفہیم القرآن میں استعمال ہونے سے پاک ہو گیا ہے ' اس لئے اپنے بھی اس سے کیوں محروم رہیں ۔ چنانچہ وہ اس کے لئے موقع کی تلاش میں تھے اور وہ موقع انہیں جلد ہی میسر آ گیا۔ یہ موقع محترمہ مس فاطمہ جناح (مرحومہ) کا بطور اُمیدوار کھڑے ہونا تھا۔ اب دیکھئے کس طرح درجہ بدرجہ اس مقام تک پہنچتے ہیں ۔ پہلے تو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کی جانب سے یہ کہلوایا :-

"جب یہ مرحلہ آیا تو ہم اس پیچیدہ صورت حال سے دوچار ہو گئے کہ چار جماعتوں نے محترمہ مس فاطمہ جناح کو منتخب کرنے پر اتفاق کر لیا ہے ' جسے قبول کرنا ان شرعی احکام کی موجودگی میں ہمارے لئے مشکل تھا جن کی رُو سے کوئی عورت مسلمانوں کی امیر نہیں ہو سکتی ۔"

باہر جماعت اسلامی والے اس فیصلے کے پمفلٹ تقسیم کر رہے تھے ' ادھر درونِ خانہ کچھ مزید کھچڑی پکتی رہی ۔ اور دو تین دن کے بعد یہ بات باہر آئی کہ جماعت اسلامی محترمہ مس فاطمہ جناح کی حمایت کرے گی ۔ جب یہ اعتراض کیا گیا کہ اس سے پہلے مودودی صاحب خود اسے ناجائز قرار دے چکے ہیں تو مودودی صاحب نے جو کچھ فرمایا اسے روزنامہ مشرق نے اپنی ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں ان الفاظ میں درج کیا تھا :-

" اپوزیشن کی صدارتی انتخاب کی اُمیدوار محترمہ مس فاطمہ جناح پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودی نے چیلنج کیا ہے کہ کوئی شخص یہ بات ثابت نہیں کر سکتا کہ ازروئے شرع عورت کا سربراہ مملکت ہونا قطعی حرام ہے۔ اور اس سلسلے میں استثناء کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے کہا حکومت لوگوں کو مذہب کے نام پر گمراہ کر رہی ہے۔"

کہاں ملک کے معمولی انتظامی عہدوں کو عورتوں کے سپرد کرنے والوں کو " شیطان کے شاگرد " قرار دیا جا رہا تھا۔ اور کہاں انہوں نے ملک کے سب سے اعلیٰ انتظامی اور سیاسی عہدہ ایک عورت کو دلوانے کے لئے تن من دھن سے کوشش شروع کر دی۔ اور یوں اپنے مخالفوں کو عطا کردہ لقب کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہو گئے۔

ضبطِ ولادت کو جائز قرار دینے والے شیطان کے شاگرد

یہاں تک تو خیریت تھی کہ ایک حکم جسے شاید سیاسی مصلحت کی بنا پر مودودی صاحب نے قرآن و سنت کی رُو سے حرام قرار دے دیا تھا' پھر کسی دوسری سیاسی مصلحت کی بنا پر اسے جائز قرار دے دیا اور جو شاندار لقب " یعنی شیطان کے شاگرد " قرآن کی تفسیر جیسی سنجیدہ کتاب میں اپنے مخالفوں کو عنایت کیا تھا اس کے بدرجہ اولیٰ خود بھی مستحق ہو گئے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تفہیم القرآن میں ضبطِ ولادت کو جائز قرار دینے والے تمام علمائے اسلام کو بھی اسی زمرے میں شمار کر دیا ہے۔ دراصل مودودی صاحب کی اس اہم انسانی مسئلہ کی مخالفت ان کا جذبۂ انانیت ہے۔ اس اہم مسئلہ پر بدقسمتی یہ ہوئی کہ ان کے مخالف عالمِ دین مولانا ابو الکلام آزاد جن کی شہرت بہرحال ان سے زیادہ تھی' نے ضبطِ ولادت کے جواز کا فتویٰ دے دیا (ملاحظہ ہو ماہنامہ الحکیم بابت نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۲۹) اور بے چارے مودودی صاحب کے لئے مخالفت کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ اور اس طرح مخالفت کر کے اور ابو الکلام آزاد کو شیطان کا شاگرد بنا کر اپنی انانیت کی تسکین کر لی' لیکن انہیں خیال نہ رہا کہ ان کے اس حملے کی زد صرف مولانا ابو الکلام آزاد پر ہی نہیں پڑے گی بلکہ بہت سے سلف صالحین اور

علمائے خلف بھی اس کی زد میں آ جائیں گے ۔ مثلاً امام ابن قیم کی تحقیق کے مطابق احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے اور بہت سے صحابہؓ سے اس کا جواز منقول ہے ۔ (زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۲۰) اسلامی فقہ کے چاروں ائمہ اسے بیوی کی اجازت سے جائز قرار دیتے ہیں (مختصر الفتاوٰی المصریہ صفحہ ۴۳۱) اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے (زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۲۰) مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ جو مشہور صحابیٔ رسولؐ تھے ' نے جب مصر میں کثرتِ آبادی دیکھی تو انہیں خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے کی تلقین کی ' وغیرہ وغیرہ ۔

مودودی صاحب اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانے والوں کو بھی "شیطان کے شاگرد" قرار دیتے ہیں ۔ یہ بھی دراصل خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے کا ایک طریق ہے اور بعض علماءِ دین نے اسے جائز قرار دیا ہے ۔ اس بارے میں مودودی صاحب کے حملے کی پہلی زد تو برِّصغیر کے مشہور عالمِ دین حضرت صاحب الفضیلہ مولانا مفتی سید عبدالدائم صاحب الجلالی مفتی مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی ' اور ان کے ساتھی علماء پر پڑتی ہے جنہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ نس بندی (یعنی مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانا) افنائے حیات نہیں ' اختصار نہیں ' قتل نفس نہیں ' تقلیلِ نسل کی پائیدار اور دوامی کوشش ہے ۔ آپ اس کو ارادی تعقیم کہہ سکتے ہیں ' جو بہ رضائے فریقین وجوہِ شرعیہ کے تحت جائز ہے ۔ واللہ اعلم عنداللہ (مسئلہ ضبطِ ولادت مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۵)

علمائے مصر نے بانجھ پن کے لئے قرآنِ مجید کی آیت **و یجعل من یشاء عقیما** سے استدلال کیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو اپنی حکمت سے بانجھ کر دیتا ہے تو پھر کسی مصلحت کے لئے بھی بانجھ بنا دینا جائز ہے (بحوالہ الدین و تنظیم الاسرۃ تالیف احمد الشرباصی مطبوعہ مصر صفحہ ۸۶) ۔ اب اگر مودودی صاحب کی فکر کے مطابق بانجھ پن کو غیر فطرتی عمل شمار کیا جاتا ہے تو اس آیت کی رو سے **نعوذ باللہ من ذلک** اس کی زد قرآن شریف پر پڑتی ہے اور اگر بانجھ پن کو فطرتی عمل شمار کیا جاتا ہے تو پھر اولاد کی خواہش کرنے والے جو اسے علاج معالجہ سے دور کراتے ہیں (اور نوے فی صد

حالتوں میں اس کا علاج ممکن ہے) تو وہ بھی شیطان کے شاگرد قرار پاتے ہیں۔

حواشی باب سوم

۱۔ حنفی فقہ کے مطابق اس کی تشریح آگے آتی ہے۔

چوتھا باب

حقوق الزوجین اور پاکستان کے عائلی قوانین

مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول میں بعض اہم مسائل مثلاً عائلی قوانین ' مسئلہ ملکیتِ زمین اور خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں ' ان کے نقطۂ نظر کی جھلک پیش کی جا چکی ہے ۔ لیکن جب تک ان مسائل کے بارے میں مودودی صاحب کے نقطۂ نظر کی پوری تفصیلات قارئین کے سامنے نہیں ہونگی ' اس وقت تک اُنہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکے گا ' کہ مودودی صاحب نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے ' قرآنِ مجید کی تفسیر میں کس حد تک دست درازی کی ہے اور اس طرح وہ احکام القرآن میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں ۔

ان میں سے اہم ترین مسئلہ پاکستان عائلی قوانین کا ہے ۔ ان قوانین کے بارے میں مودودی صاحب کا طرزِ عمل بہت ہی عجیب و غریب ہے ۔ جب یہ قوانین ۱۹۲۹ء میں مصر میں نافذ ہوئے تھے تو مودودی صاحب نے ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ۔ اور برِ صغیر ہند و پاکستان میں ان قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کیا ۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے ان قوانین کا اُردو ترجمہ حقوق الزوجین کے نام سے پیش کیا ۔ ان کے عقیدت مند اس کتاب کو ان کی مفکرانہ کوشش قرار دیتے رہے ہیں لیکن آئندہ سطور میں مصری عائلی قوانین جو اب پاکستان میں نافذ ہو چکے ہیں ' کے تقابلی مطالعہ سے قارئین خود اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ یہ مصری عائلی قوانین کے اُردو ترجمے کے سوا کچھ نہیں ۔ لیکن تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جب یہی قوانین پاکستان میں نافذ کئے گئے ' تو مودودی صاحب نے انہیں خلافِ اسلام قرار دے کر ان کے خاتمے کیلئے تحریک شروع کر دی ۔ آئندہ سطور میں ان قوانین کا ان کی کتاب حقوق الزوجین سے تقابلی مطالعہ ملاحظہ ہو ۔

مودودی صاحب اور حنفی فقہ

مودودی صاحب اپنی کتاب حقوق الزوجین میں فرماتے ہیں کہ برِصغیر ہند و پاک میں دینی تعلیم و تربیت کے فقدان اور غیر اسلامی تمدنوں کے اثر نے اگرچہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر گوشہ کو متاثر کیا لیکن اس کا سب سے گہرا اثر ان کی ازدواجی زندگی پر پڑا۔ ان کے الفاظ میں:۔

"اس افسوسناک حالت نے مسلمانوں کی تمدنی زندگی کو جو نقصان پہنچائے ہیں' ان میں سب سے زیادہ اہم نقصان یہ ہے کہ اس نے ہمارے کم ازکم ۷۰ فیصدی گھروں کو دوزخ کا نمونہ بنا دیا ہے اور ہماری آبادی کے ایک بڑے حصے کی زندگیاں تلخ بلکہ برباد کر دی ہیں[1]"

اس خطرناک صورت حال کی اصلاح کے لئے مختلف اہلِ علم نے اپنی سی کوششیں کیں اور ان کے لئے مختلف قسم کی تجاویز پیش ہوئیں۔ ان تجاویز میں سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تجاویز جو بعد میں "حقوق الزّوجین" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں' منفرد اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کسی خاص مسلک فقہ کی تقلید کے بجائے زمانے کے تقاضوں کا زیادہ خیال رکھا اور بہت سے اہم مسائل میں حنفی فقہ کے بجائے دوسرے مذاہب فقہ' خاص طور پر مالکی مذہب کو ترجیح دی۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ علمائے حنفیہ ان کے اس طرز عمل پر معترض ہوں۔ لیکن انہوں نے کسی کی کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ ان کو یہ دندان شکن جواب دیا:۔

"قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گناہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو؟ کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبیؐ کی سنّت تمہارے پاس اس لئے تھی کہ تم اس کو لئے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں۔ ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا' تم کو کیا حق تھا کہ اسے مشکل بنا دو؟ ہم نے تم کو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تھا' تم پر یہ کس نے فرض کیا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو؟ ہم نے ہر مشکل کا علاج

قرآن میں لکھا تھا، تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو؟ اس باز پرس کے جواب میں اُمید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ھدایہ اور عالمگیری کے مصنفوں کے دامن میں پناہ مل سکے گی۔[۲]"

اور اس طرح حنفی فقہ پر اتنی سخت تنقید کر کے مولانا مودودی نے معترض حضرات کو خاموش کر دیا۔ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مولانا نے آج سے تیس سال پہلے ازدواجی زندگی کی اصلاح کے لئے جو تجاویز پیش کی تھیں وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھیں، لیکن بدقسمتی سے انہیں کبھی قانونی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ پاکستان بننے کے بعد جدید تمدن کے اثرات کی وجہ سے ہمارے ازدواجی معاملات اور بھی پیچیدہ ہو گئے۔ اس صورتِ حالات نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ دے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک کمیشن قائم کیا گیا، جس کی سفارشات کو بعد میں عائلی قوانین کی صورت میں نافذ کر دیا گیا۔

اس مضمون میں ہم یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ مولانا نے آج سے تیس سال پہلے جو تجاویز پیش فرمائی تھیں، عائلی قوانین میں بھی کم و بیش وہی کچھ ہے۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ جونہی عائلی قوانین سامنے آئے، ان پر فوراً خلافِ اسلام ہونے کا ٹھپّہ لگا دیا گیا اور پھر انہیں منسوخ کرانے کے لئے جہادِ عظیم شروع کر دیا گیا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج سے تیس سال پہلے جن مسائل کو بڑے زوردار دلائل سے قرآنی تعلیمات کے مطابق ثابت کیا جاتا تھا آج انہیں اتنے ہی زوردار دلائل سے خلافِ اسلام ثابت کیا جانے لگا۔ مولانا کی تجاویز اگرچہ عائلی قوانین سے بھی زیادہ وسیع ہیں اور ان میں بہت سے دوسرے مسائل بھی شامل ہیں جو عائلی قوانین میں نہیں ہیں، ان میں سے ہم صرف انہی تحریروں کو پیش کریں گے جو عائلی قوانین کے کسی مسئلہ کے متقابل ہیں۔

نکاح کی رجسٹری

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہمارے ہاں ننانوے فیصدی نکاح ایسے ہوتے ہیں جن میں مہر مؤجل ہوتا ہے۔ یعنی شادی کے موقع پر ادا نہیں کیا جاتا بلکہ بعد میں۔ اس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بعض بُری قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ان

خرابیوں کا تدارک کرنے کے لئے مولانا جو طریقہ تجویز فرماتے ہیں ' وہ عائلی قوانین کی سادہ رجسٹری سے نہ صرف کئی گنا مشکل ہے بلکہ بھاری اخراجات کا طالب ہے ' فرماتے ہیں :-

" لیکن اگر وہ مؤجل ہو تو لازم قرار دیا جائے اور زرِ مہر پر پچاس فیصدی کا اسٹامپ لگایا جائے ۔ اسٹامپ کے بغیر یا پچاس فیصدی سے کم قیمت کے اسٹامپ پر کوئی دستاویزِ مہر قابلِ ادخالِ دعویٰ نہ ہو ۔ اس قسم کا ضابطہ اگر بنا دیا جائے تو مہر مؤجل کا یہ سرتاپا عیب باآسانی مسدود ہو جائے گا۔"[۳]

جن لوگوں کو ان کاموں کا عملی تجربہ ہے ' وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ عائلی قوانین کے چار پرتوں میں اندراج اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا کہ صرف اسٹامپ کی خریداری اور پھر کسی قانونی آدمی سے دستاویز وغیرہ تحریر کرانا ' اس پر مستزاد یہ تجاویز یقیناً عائلی قوانین کی رجسٹریشن سے کئی گنا مشکل اور محنت طلب کام کا تقاضا کرتی ہیں ۔ لیکن معلوم نہیں ان کی تجویز کردہ کئی گنا اخراجات کی طالب رجسٹریشن تو اسلامی تھی اور یہ سادا سا اندراج غیر اسلامی ہو گیا ہے ۔

مزید برآں انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ

" مہر ایک قسم کا قرض ہے اور اپنے ذمہ جان بوجھ کر یا بے پروائی کے ساتھ قرض چھوڑ جانا اتنی بڑی بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا ہے[۴]۔"

اور قرض والے معاملات تو ایسے ہیں جنہیں قرآنِ حکیم تحریر میں لانے کی سخت تاکید کرتا ہے :-

یاایھاالذین امنو اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ

اے ایمان والو ! جب تم مقررہ وقت کے لئے قرضہ کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو

(البقرہ ۔ ۲۸۲)

ایک ایسی چیز جس کا حکم قرآنِ حکیم سے اشارتاً بھی ثابت ہو جائے اگر اس کی خلاف ورزی کو قانونی جرم قرار دے کر مجرم کو سزا دی جائے تو یہ کیسے خلاف اسلام قرار

پائے گا۔ جب کہ ایسے معاملات کی ہمیں نظیریں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً مولانا کو تسلیم ہے کہ مجلسِ واحد میں تین طلاق دینے والے کو نبیؐ اور صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں سزا نہ ملتی تھی لیکن فاروقِ اعظمؓ ایسے شخص کو دُرّے مارا کرتے تھے۔ اس معاملہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

تحدید ازدواج

اس اہم مسئلہ میں مولانا نے جو کچھ اشارتاً لکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ واضح تحریر سے بھی زیادہ مفصّل ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اقتباس سے معلوم ہو گا کہ ان کے نزدیک تعدّدِ ازدواج کی اجازت بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے اور جب ان شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے گا تو قانون اس معاملے میں دخل اندازی کر سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"قرآنِ مجید میں تعدّدِ ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص عدل نہ کرے تو اسے اس مشروط اجازت سے فائدہ اُٹھانے کا حق نہیں ہے۔ خود اس آیت میں جہاں تعدّدِ ازدواج کی اجازت دی گئی ہے صاف حکم موجود ہے کہ اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو۔ **فان خفتم الا تعدلوا فواحدہ او ماملکت ایمانکم ذالک ادنی الا تعولوا** (پھر اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو یا لونڈی جو تمہارے قبضہ میں ہو۔ یہ زیادہ قرین مصلحت ہے تاکہ تم حق سے متجاوز نہ ہو جاؤ ۴/۳)--- مذکورہ بالا آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص دو یا زائد بیویوں کے درمیان عدل نہیں کرتا اور ایک طرف جھک کر دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، وہ ظالم ہے۔ تعدّدِ ازدواج کی اجازت سے فائدہ اُٹھانے کا اس کو کوئی حق نہیں ہے۔ قانون کو ایسی حالت میں اسے صرف ایک بیوی رکھنے پر مجبور کرنا چاہئے اور دوسری بیوی یا بیویوں کو اس کے خلاف قانون سے داد رسی پانے کا حق ہونا چاہئے[5]"

عائلی قوانین میں بھی تو یہی صورت اختیار کی گئی ہے اور اسے جن شرائط سے مقید کیا گیا ہے وہ زیادہ تر بخاری شریف کی ایک حدیث میں ملتی ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری باب "**ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرہ و الانصاف**" (غیرت اور انصاف کے بارے میں انسان کا اپنی بیٹی کی طرف سے مداخلت کرنا) کے تحت لائے ہیں:۔

عن المسور بن مخرمة قال سمعت رسول الله صلعم يقول و هو على المنبر ان بنی هشام بن المغیرہ استاذنوا نی فی ان ینکحوا ابنتھم علی بن ابی طالب فلا اذن ثم لا اذن ثم لا اذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی و ینکح ابنتھم فانما ھی بضعتہ منی یریبنی ما اراہا و یوذینی ما اذاھا۔[۶]

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ کو منبر پر فرماتے سنا "بنی ھشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت چاہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی علی سے کر دیں۔ پس میں ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اگر ابن ابی طالب شادی کرنا چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جو چیز اسے تکلیف پہنچاتی ہے وہ میرے لئے بھی باعث تکلیف ہے اور جو اس کے لئے موجب ایذا ہے وہ مجھے بھی ایذا پہنچاتی ہے"۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

(۱) دوسری شادی اگرچہ جائز ہے لیکن اس کے لئے نبیؐ سے اجازت مانگی گئی۔

(۲) دوسری شادی سے حضرت فاطمہؓ الزہراء کو ایذا پہنچتی۔ معلوم ہوا کہ عام حالات میں دوسرے نکاح سے پہلی بیوی کو ایذا پہنچنا ایک طبعی امر ہے۔ اگر اس وجہ سے پہلی بیوی یا اس کے متعلقین نکاح سے مانع ہوں تو وہ حق بجانب ہیں۔

(۳) جس طرح نبیؐ کو بیٹی پر سوکن آنے سے تکلیف ہو سکتی تھی اور کون سا باپ ہے جسے اس سے تکلیف نہیں ہوتی؟ جس طرح نبیؐ نے برداشت نہیں کیا کہ ان کی بیٹی پر سوکن آئے اس طرح ہر والد کے لئے یہ چیز ناقابل برداشت ہے۔

خُلع اور تعددِ ازدواج

یہ اعتراض بھی کیا جا رہا ہے کہ اگر دوسری شادی پہلی بیوی کی رضامندی کے بغیر کی جائے تو اس بات کو خلع کے لئے وجہِ جواز کیوں قرار دیا گیا؟

تعداد ازدواج کو مشروط کرنے کے سلسلے میں ہم نے مولانا مودودی کی جو عبارت اوپر نقل کی ہے ' اس میں آپ نے غیر مبہم الفاظ میں اس امر کی سفارش کی تھی کہ ایسی صورت میں قانون کو دخل دینا چاہئے اور عورت کو قانون سے داد رسی پانے کا حق ہونا

چاہئے ۔ اسی داد رسی کو شرعی اصطلاح میں " خُلع " کہتے ہیں جس کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں :۔

" شرع اسلامی نے جس طرح مرد کو یہ حق دیا ہے کہ جس عورت کو وہ ناپسند کرتا ہے اور جس کے ساتھ وہ نباہ نہیں کر سکتا اسے طلاق دے دے ' اس طرح عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہو اور کسی طرح اس کے ساتھ گزر بسر نہ کر سکتی ہو اس سے خُلع حاصل کر لے "۔[۷]

اب یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ اس بات کو خلع کے لئے وجہ جواز کیوں قرار دیا گیا ہے ۔ یعنی اب ان کا موقف یہ ہو گیا ہے کہ اگر ایک عورت ان حالات کے تحت اس قسم کے خاوند سے چھٹکارا حاصل کرانا چاہے تو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔

طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس

عائلی قوانین میں طلاق کے سلسلے میں جو احکام نافذ کئے گئے ہیں ' ان میں سے اہم ترین مسئلہ طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس کا خاتمہ ہے ۔ دوسرا اہم مسئلہ مرد کی اجازتِ طلاق کو مشروط کرنا ۔ علماء حضرات نے اس بارے اعلان کیا :۔

" بیک وقت تین طلاقیں دے کر عورت کو جُدا کر دینے سے ہمارے معاشرہ میں جو خرابیاں پیدا ہوتی رہی ہیں ' کون سی چشم بینا ہے جس نے اس کے مضر اثرات پر خُون کے آنسو نہیں بہائے ۔ یہی وجہ تھی کہ جب یہ قانون مصر میں رائج ہوا تو ہمارے بعض علماء نے اس کا خیر مقدم کیا "۔[۸]

اپنے ہاں بھی ایک ایسے قانون کے نفاذ کی خواہش کا اظہار کیا گیا ۔ صاحبِ " حقوق الزوجین " نے اس مسئلہ کی شرعی حیثیت پر اس طرح بحث کی :۔

" بیک وقت تین طلاق دے کر عورت کو جُدا کر دینا نصوصِ صریحہ کی بنا پر معصیت ہے ۔ علمائے اُمّت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاقِ رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق مغلظ کے حکم میں ' لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے طلاق کے

لئے مقرر فرمایا ہے اور اس سے شریعت کی اہم مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں تو حضورؐ غصہ میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا **ایلعب بکتاب اللہ عز و جل و انا بین اظھر کم** (کیا اللہ عزّ و جل کی کتاب سے کھیل کیا جاتا ہے حالانکہ ابھی میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔) بعض دوسری احادیث میں تصریح ہے کہ حضورؐ نے اس فعل کو معصیت فرمایا اور حضرت عمرؓ کے متعلق تو روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ جو شخص ان کے پاس مجلسِ واحد میں تین طلاق دینے والا آتا تو وہ اس کو دُرّے لگاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فعل پر سزا دی جا سکتی ہے۔"

"ہمارے زمانے میں یہ طریقہ عام ہو گیا ہے کہ لوگ کسی فوری جذبہ کے تحت اپنی بیویوں کو جھٹ تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں۔ پھر نادم ہوتے ہیں اور شرعی حیلے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی جھوٹی قسمیں کھا کر طلاق سے انکار کرتا ہے۔ کوئی حلالہ کرانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی طلاق کو مخفی رکھ کر اپنی بیوی کے ساتھ بدستور سابق تعلقات باقی رکھتا ہے۔ اس طرح ایک گناہ کے خمیازے سے بچنے کے لئے متعدّد دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان خرابیوں کا سدباب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے کر عورت کو جُدا کر دینے پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں جن کی وجہ سے لوگ اس فعل کا ارتکاب نہ کر سکیں[9]"

مولانا کے اس لمبے اقتباس کے اہم نکات یہ ہیں۔

(۱) کہ طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس نصوصِ صریحہ کی بنا پر معصیت ہے۔

(۲) اس کے معصیت اور بدعت ہونے پر اُمّت کا اجماع ہے۔

(۳) رسول اللہؐ ایسا واقعہ سن کر غصے سے کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۴) حضرت عمر فاروقؓ نے بطور امیر المومنین ایسا کرنے والوں کو سزا دی جس سے معلوم ہوا کہ حکومت اس فعل پر سزا دے سکتی ہے۔

(۵) اس معصیت کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر پابندیاں لگانے کے لئے قانون بنایا جائے۔

جن قارئین کی نظر سے حالیہ عائلی قوانین گزر چکے ہیں وہ اس حقیقت سے باخبر ہوں گے کہ اس معصیت کو ختم کرنے کے لئے کم و بیش ایسے ہی اقدامات کئے گئے ہیں۔ لیکن وہ معصیت جس کو ختم کرنے کے لئے اتنی مدت قلم کا زور صرف کیا جاتا رہا' جب اسے قانوناً ختم کیا گیا تو پھر "حقوق الزوجین" کے مصنّف نے حنفی ائمہ کے علم و تقویٰ کا واسطہ دے کر دوبارہ اُسے سینے سے لگا لیا اور اس معصیت کو ختم کرنے والوں کو یہ اعتراض سننا پڑا:۔

"بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دیئے گئے ہوں تو اس سے طلاق مغلظ واقع ہو جاتی ہے اور مطلقہ عورت سے اس کا سابق شوہر نہ تو مدّتِ عِدّت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عِدّت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے' جب تک کہ اس کی تحلیل[10] نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور مذہب حنفی کے ائمہ و فقہاء کے علم و تقویٰ پر ہے' وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے[11]۔

جس چیز کے معصیت اور بدعت ہونے پر اُمّت کا اجماع تھا' اب وہ عین حنفی مذہب کے مطابق ہو گئی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ معاملہ یہاں تک ختم نہیں ہو جاتا بلکہ حنفی ائمہ کے علم و تقویٰ کا واسطہ دے کر اس معصیت کو دوبارہ رائج کرنے کے لئے جہادِ عظیم شروع کر دیا گیا۔ حالانکہ ایک وقت وہ بھی تھا جب مودودی صاحب طلاق کا نصاب صرف ان الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے:۔

"اس آیت میں طلاق کا نصاب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق رجعی ہے اور تیسری مرتبہ کی مغلظ (۱۲)

حالیہ عائلی قوانین میں بعینہٖ طلاق کا یہی نصاب اختیار کیا گیا ہے۔

طلاقِ بدعت اور حلالہ

طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس کا ایک لازمی نتیجہ حلالہ ہے۔ خود جناب مولانا نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ مذکورۂ بالا اعتراض میں اسے "تحلیل" کا معصوم نام دیا گیا ہے۔ چونکہ

طلاقِ بدعت کو حنفی ائمہ کے علم اور تقویٰ کا واسطہ دے کر دوبارہ رائج کرانے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے لازماً ان حضرات کے نزدیک حلالہ کا بھی یقیناً وہی مفہوم ہو گا جو حنفی ائمہ اور فقہاء کے نزدیک ہے۔ حنفی فقہ کی ہر اہم کتاب اُٹھا کر دیکھئے آپ کو حلالہ کے بارے میں یہ حکم ملے گا:۔

" و اذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه لقوله عليه السلام لعن الله المحلل والمحلل له و هذا هو محمله فان طلقها بعد و طيها حلت للاول لوجود الدخول فى نكاح صحيح"[۱۳]

یعنی اگر حلالہ کی شرط سے کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ مکروہ عمل ہے کیونکہ حضورؐ نے حلالہ کرنے اور کرانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی ہے اور اس سے مراد یہی حلالہ ہے۔ تاہم اگر اس (حلالہ کے نکاح) کے بعد کوئی شخص عورت سے مباشرت کے بعد اسے طلاق دے دے تو وہ پہلے طلاق دینے والے شخص کے لئے حلال ہو جائے گی، کیونکہ دخول نکاح صحیح میں ہوا ہے۔

ایک وقت وہ تھا جب کہ مولانا اس کی برائی ان الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

" فی الواقع اس طرح کے نکاح اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حیرت ان علماء پر ہوتی ہے جو اس صریح حرام اور نہایت شنیع اور شرمناک حیلے کا فتویٰ لوگوں کو دیتے ہیں"۔[۱۴]

سیاسی مفادات کا حصول انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے کہ اب یہی حضرات اپنے طرزِ عمل سے اس برائی کی تائید کر رہے ہیں۔

مرد کے حقِ طلاق کا مشروط ہونا

طلاق کے سلسلہ میں جو شرائط عائد کی گئی ہیں، ان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ شریعت نے مرد کو طلاق دینے کا غیر مشروط حق دیا ہے۔ لیکن حالیہ عائلی قوانین میں یہ مشروط کر دیا گیا ہے۔ مودودی صاحب کے اعتراض کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

" ایک آیت کے اندر تو صاف الفاظ میں 'بیدہٖ عقدۃ النکاح' کا فقرہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عقد نکاح کو برقرار رکھنا یا توڑ دینا شوہر کے اختیار میں ہے اور

رہے۔ اس اختیار کو استعمال کرنے کے لئے وہ قطعاً کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا پابند نہیں ہے"[15]۔

حالانکہ جب ازدواجی زندگی کی اصلاح کے لئے مولانا مودودی نے خود تجاویز پیش کی تھیں تو اس وقت آنجناب نے فقہاء کے اس استدلال کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ قرآنِ مجید اس استدلال کی تائید نہیں کرتا۔ اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ اولو الامر کو حق ہو گا کہ شوہر کو اس کے اختیار سے محروم کر کے بطور خود اس اختیار کو استعمال کریں۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر اس کی شکایت جائز ثابت ہو گی تو قانون کو نافذ کرنے والوں یعنی اولو الامر کو حق ہو گا کہ شوہر کو اس کے اختیار سے محروم کر کے بطور خود اس اختیار کو استعمال کریں۔ قاضی کو فسخ اور تفریق اور تطلیق کے جو اختیارات شرع میں دیئے گئے ہیں، وہ اسی اصل پر مبنی ہیں۔ فقہاء کی ایک جماعت نے بیدہٖ عقدۃ النکاح سے یہ استدلال کیا ہے کہ طلاق کا جو اختیار مرد کو دیا گیا ہے وہ کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں اور اس قاعدہ میں کوئی استثناء نہیں۔ اور اگر مرد طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو کسی حال میں قاضی کو یہ اقتدار نہیں ہے کہ اس اختیار کو خود اپنے ہاتھ میں لے کر استعمال کرے۔ لیکن قرآنِ مجید اس استدلال کی تائید نہیں کرتا"[16]۔

آج سے تیس سال پہلے قرآنِ مجید جس استدلال کی تائید نہیں کرتا تھا آج وہی استدلال عین قرآنی ہو گیا ہے۔ یہ ہے مودودی صاحب کی قرآنی تفسیر۔

صغر سنی کی شادی

کم سنی کی شادیوں سے ہمارے معاشرہ میں جو قباحتیں پیدا ہوتی رہی ہیں، مولانا مودودی ان سے غافل نہیں رہ سکتے تھے۔ ان مفاسد کے خاتمے کے لئے وہ بھی اس کی روک تھام چاہتے تھے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں:۔

"اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کم سنی کے نکاحوں کی روک تھام کی جائے اور کم از کم ایسے نکاحوں کو لازم قرار نہ دیا جائے۔ کیونکہ اکثر لڑکے جن سے ابتداء میں اچھی توقعات قائم کی جاتی ہیں، آگے چل کر سخت بداخلاقیوں اور بری عادتوں اور فاسد

اعتقادات میں مبتلا ہو جاتے ہیں[17]"

اب جب کہ عائلی قوانین میں ان نکاحوں کی روک تھام کر دی گئی ہے تو مودودی صاحب کی جانب سے اس کی مخالفت میں بودی بودی دلیلیں پیش کی جا رہی ہیں اور یہ فرمایا جا رہا ہے:-

"یہ قرآن کے صریح حکم کے خلاف اور ان مصالح سے متصادم ہے جنہیں اسلامی شریعت نے اہمیت دی ہے۔ قرآنِ مجید میں بالفاظ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی تک حیض نہ آیا ہو[18]"۔

انہوں نے اس استدلال کی تائید میں سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۴ پیش کی ہے۔ پہلے تو ملاحظہ فرمائیں کہ جو چیز آج انہیں قرآن کے صریح حکم کے خلاف نظر آ رہی ہے تیس سال پہلے عین اسلامی تھی۔ سیاست بھی انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

اب سورۃ طلاق کی آیت نمبر ۴ کے الفاظ ملاحظہ ہوں کہ وہ کہاں تک اس اعتراض کی تائید کرتے ہیں:-

و اللتی لم یحضن۔ اُردو میں قرآنِ حکیم کے متعدّد ترجمے ہو چکے ہیں کوئی سا اُٹھا کر دیکھئے آپ اس آیت کے ترجمے میں یہ الفاظ پائیں گے۔

"کہ جن عورتوں کو حیض نہ آسکا ہو"۔

قرآنِ حکیم سے اس قسم کا بودا استدلال تو اُمّت میں سے کسی کو نہ سوجھا تھا البتہ بعض ائمہ نے قرآنِ مجید سے صغر سنی کی شادی کو جائز ضرور ثابت کیا ہے۔ لیکن مخالفت کرنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ شمس الائمہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں[19]۔

یقولہ ابن شبرمۃ و ابو بکر اصم انہ لا یزوج الصغیر و الصغیرہ حتی یبلغا یقولہ تعالیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فلو جاز التزویج قبل البلوغ لم یکن لھذا فائدہ۔

"امام ابن شبرمۃ اور ابوبکر اصم نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کی شادی کو جائز قرار نہیں دیتے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ حتی اذا بلغوا النکاح۔ اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو یہ آیت بے سود تھی"۔

قرآن کی رُو سے جب بلوغ کو شادی کے لئے شرط قرار دے دیا گیا تو ہر ملک میں

حکومت ڈاکٹروں سے رائے لے کر بلوغ کی عمر متعین کر سکتی ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی مرد کہے میری بیٹی بالغ ہے اور اس وقت تحقیق ہوتی پھرے کہ آیا وہ بالغ ہے یا نہیں۔ اس لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ نے بھی بلوغ کی عمر مقرر کر دی تھی۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:۔

و اما بلوغھما بالسن فقدر ابو حنیفۃ رحمتہ اللہ تعالی فی الجاریۃ بسبع عشرہ سنۃ و فی الغلام بتسع عشرہ سنۃ۔[۲۰]

"بلوغ کی عمر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اندازہ کے مطابق لڑکی کے لئے ۱۷ سال اور لڑکے کے لئے ۱۹ سال ہے"۔

مصر کے عائلی قوانین میں انہی امام ابن شبرمتہ کے قول کو اختیار کر کے صغر سنی کی شادیوں کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا تھا کیونکہ ان کے مسلک کو زمانہ کے تقاضوں کے عین مطابق سمجھا گیا۔ "حقوق الزوجین" کے مصنّف نے بھی اپنی کتاب میں کئی اہم مسائل میں حنفی فقہ کو ترک کر کے مالکی فقہ کو اختیار کیا ہے۔ اس سے اگر ائمہ حنفیہ کے علم و تقویٰ پر کوئی حرف نہیں آیا تو صغر سنی کے نکاح کے سلسلہ میں اگر حکومت نے انہیں جیسے ایک صاحب مذہب اور اہل علم و تقویٰ امام ابن شبرمتہ کا قول اختیار کر لیا تو وہ کیوں قابلِ ملامت ٹھہرے۔ جب کہ صاحب موصوف نے آج سے تیس سال پہلے اس برائی کو خود بھی محسوس کیا تھا اور اس کی روک تھام کی بھی سفارش کی تھی۔

یہ ہے "حقوق الزوجین" اور حالیہ عائلی قوانین کا تقابلی مطالعہ۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس سلسلے میں اپنی طرف سے کوئی مزید دلائل نہ دیئے جائیں کیونکہ "حقوق الزوجین" کے مصنّف آج سے تیس سال پہلے ازدواجی زندگی میں جو اصلاحات چاہتے تھے حالیہ عائلی قوانین میں کم و بیش وہی چیزیں ہی تو شامل ہیں جیسا کہ قارئین دیکھ چکے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں جو چیزیں آج سے تیس سال پہلے عین اسلام تھیں اب وہ اچانک خلافِ اسلام کیسے ہو گئیں۔

حواشی باب چہارم

(۱) حقوق الزوجین از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، طبع ششم صفحہ ۹
(۲) ایضاً صفحہ ۹۸ - (یہ حنفی فقہ کی معتبر کتابوں کے نام ہیں)۔
(۳) ایضاً صفحہ ۱۲۵
(۴) ایضاً صفحہ ۱۲۴
(۵) ایضاً صفحہ ۴۱-۴۲
(۶) بخاری شریف جلد دوم کتاب النکاح
(۷) حقوق الزوجین طبع ششم صفحہ ۶۰
(۸) نکاح محمدی از مولانا محمد بن ابراہیم میمن جونا گڑھی صفحہ ۲۱-۲۲
(۹) حقوق الزوجین صفحہ ۱۵۴-۱۵۵
(۱۰) حنفی فقہ کے مطابق اس کی تشریح آگے آئے گی۔
(۱۱) عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات صفحہ ۱۸-۱۹ مطبوعہ پبلک آرٹ پریس پشاور۔
(۱۲) حقوق الزوجین صفحہ ۱۰۸
(۱۳) ھدایہ اولین مجیدی صفحہ ۳۷۶
(۱۴) حقوق الزوجین ص ۵۹-۶۰
(۱۵) عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات صفحہ ۱۵
(۱۶) حقوق الزوجین صفحہ ۱۰۸
(۱۷) ایضاً صفحہ ۱۱۹
(۱۸) عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات صفحہ ۱۹
(۱۹) المبسوط جلد ۴ صفحہ ۱۹۳
(۲۰) ایضاً جلد ۶ صفحہ ۵۳

CamScanner

پانچواں باب

مسئلہ ملکیتِ زمین کے حوالے سے سُود کے جواز کا فتویٰ

سُود جسے قرآنِ مجید میں ربٰوا کا نام دیا گیا ہے ' شریعتِ اسلامی میں سب سے بڑا جرم ہے۔ قرآنِ مجید نے اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بغاوت سے تعبیر کیا ہے۔ (سورۃ البقرہ۔ ۲۷۹) قرآنِ مجید نے اسے اللہ اور رسولؐ کے خلاف اس لئے بغاوت قرار دیا کہ اس کے ذریعے سرمایہ دار ' غریب محنت کشوں کا استحصال کرتے تھے جس سے معاشرے کا سکون تباہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ یہ شریعتِ اسلامی کے ان مسائل میں سے ہے جس کے حرام ہونے کے بارے میں علماء میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔ خود مودودی صاحب بھی علی الاعلان اسے حرام قرار دیتے ہیں اور اس موضوع پر انہوں نے ایک مستقل کتاب "سُود" نامی بھی تصنیف فرمائی ہے۔

لیکن آئندہ سطور میں قارئین یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ جس معاملے کو رسول اللہؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے سُودی معاملہ قرار دیا تھا اور جسے زمانۂ جدید کی علمی تحقیق بھی خالص سُود قرار دیتی ہے ' مودودی صاحب نے اسے حلال آمدنی ثابت کرنے کیلئے ایک دوسری مستقل کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" تالیف کی۔ ان کی اس تالیف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سودی معاملات صرف بینکوں تک محدود ہیں حالانکہ رسولؐ اللہ کے زمانے میں بینکوں کا وجود تک نہیں تھا۔

قرآنِ مجید میں جب سُود کے حرام ہونے کے بارے میں سخت احکامات نازل ہوئے ' تو رسولؐ اللہ اپنی پہلی فرصت میں ' سُودی معاملات کی نشاندہی کیلئے کھیتوں اور منڈیوں میں تشریف لے گئے۔ ایک کھیت میں آپؐ کی ملاقات ایک صحابی حضرت رافعؓ بن خدیج سے ہوئی جو اپنے کھیت کو پانی دے رہے تھے۔ آپؐ نے ان سے کھیتی باڑی کے معاملات کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں تو آپ نے انہیں بتایا کہ جس زمین کو وہ کاشت کر رہے ہیں وہ ایک دوسرے صحابی کی ہے ' وہ بٹائی کے اصول پر اس زمین پر کام کر رہے

ہیں۔ جب فصل تیار ہو گی تو آدھی ان کی ہو گی اور آدھی مالک زمین کی ۔ آپؐ نے یہ تفصیلات سننے کے بعد فرمایا کہ یہ تو سُودی معاملہ ہے اسے فوراً ختم کر دیا جائے ۔

(سنن ابو داؤد جلد سوم صفحہ ۳۵۵ باب المخابرۃ)

جب حضرت رافع بن خدیج نے اراضی کے مالک صحابہ کو حضورؐ کے اس ارشاد کے بارے میں مطلع کیا تو وہ کچھ پریشان سے ہو گئے ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت رافع بن خدیج نوعمر ہیں، شاید انہیں حضورؐ کا ارشاد سمجھنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو انہوں نے ایک بزرگ صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو اس معاملے کی تحقیق کے لئے رسولؐ اللہ کے پاس بھیجا ۔ رسولؐ اللہ نے ان کے استفسار کے جواب میں بڑے واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ جو مسلمان زمین کی بٹائی کے اصول پر کاشت کو ترک کرنے پر تیار نہ ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کیلئے تیار ہو جائے (ایضاً)۔

اب صحابہ کرامؓ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ زمین کو بٹائی پر کاشت کرانے کا معاملہ واقعی سُود ہے ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زائد اراضی فروخت کرنے کی اجازت چاہی ، لیکن رسولؐ اللہ نے انہیں اپنی ضرورت سے زائد اراضی فروخت کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ وہ اپنی یہ زائد اراضی اپنے بے زمین بھائیوں کو مفت دے دیں۔

(صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۸۱۷ کتاب المزارعۃ حامد اینڈ کو ایڈیشن)

مختصر یہ کہ بٹائی کے اصول پر زمین کی کاشت کو سود قرار دینے کے بعد رسولؐ اللہ نے اسلامی معاشرے میں زمین کی خرید و فروخت پر بھی پابندی لگا دی اور فرمایا کہ یہ مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے ۔ وہ سب اسے جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں لیکن بلاوجہ اسے اپنے پاس روک کر نہیں رکھ سکتے ۔

رسولؐ اللہ نے سود کی جو یہ تعریف بیان کی ہے تو زمانۂ جدید کی جدید علمی تحقیق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ زمانہ جدید کے معاشیات کے امام لارڈ کینز، اپنی مشہور کتاب 'جنرل تھیوری' میں فرماتے ہیں کہ "زمانہ قدیم میں بینکوں کا کوئی رواج نہیں تھا اس زمانے میں سُود زمین کے کرائے کی شکل میں ہوتا تھا"۔ (جنرل تھیوری صفحات ۲۴۲، ۳۴۳)

زمین کے کرائے سے مُراد ، اسے بٹائی کے اصول پر کاشت کرانا ہے جیسا کہ حضرت

رافع بن خدیج نے واضح کیا تھا اور جیسا کہ اس وقت ہمارے ہاں رواج ہے۔ ویسے بھی اگر انسان اپنی عقل سے تھوڑا بہت کام لے تو زمین کی بٹائی کے اصول پر کاشت کرانے کے معاملے کا سُود ہونا اس کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صاحب اپنی بچت کا ایک لاکھ روپیہ کسی بینک میں جمع کرا دے تو اس رقم سے بنک کی جانب سے جو منافع ملے گا، سب علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ سُود ہے لہٰذا حرام ہے۔ لیکن اگر وہ صاحب اس رقم کو بنک میں جمع کرانے کی بجائے اس کی زرعی اراضی خرید کر اسے بٹائی کے اصول پر کاشت کیلئے دے دیں اور اس پر ہونے والی فصل میں سے بینک کے سُود سے بھی زیادہ منافع حاصل کر لیں، تو وہ منافع جو سُود ہی کی ایک شکل ہے، کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اسی لئے تو رسول اللہ نے اسے اپنی زبانِ مبارک سے سُود قرار دیا اور جس کی زمانۂ جدید کی علمی تحقیق سے بھی تائید ہوتی ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے رسول اللہ کے اس اعلان کردہ سُودی معاملے کو جائز قرار دینے کیلئے اپنی بدنام زمانہ کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" لکھی۔

اس کتاب کو بدنامِ زمانہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے ملک کے سب سے بڑے زمینداروں نے اپنے خرچ پر طبع کرا کے، لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا تھا۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تھی تو راقم اس زمانے میں جماعت اسلامی میانوالی کے دفتر میں کام کیا کرتا تھا۔ میانوالی کے نواب کالا باغ صاحب نے اس کا جو ایڈیشن شائع کرایا تھا، وہ میری موجودگی میں جماعتِ اسلامی کے دفتر لایا گیا تھا۔ جو بعد میں جماعتِ اسلامی سے میری علیٰحدگی کا سبب بنا۔ خود امیر جماعتِ اسلامی ضلع میانوالی مولوی علی محمد صاحب جو ابھی تک حیات ہیں اور جماعتِ اسلامی سے ہی منسلک ہیں، نے اس خفیہ معاملے کی مذمّت کی تھی۔

لامحدود ملکیت کے جواز کا استدلال

چنانچہ بٹائی کے سُودی معاملے کو جائز قرار دینے کے لئے مودودی صاحب اپنی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" میں یہ استدلال فرماتے ہیں:۔

"اسلام اس تخیل سے قطعی ناآشنا ہے کہ زرعی جائیداد کی ملکیت دوسرے اقسام کی املاک اور جائیدادوں سے الگ نوعیت رکھتی ہے۔ جس کی بنا پر ان سب کے برعکس اس

کی جائز ملکیت کے لئے رقبہ کے لحاظ سے کوئی حد مقرر کر دی جائے یا یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ ہر شخص اور خاندان کے قبضے میں صرف اتنی ہی زمین رہنی چاہئے جس میں وہ کاشت کر سکے ' یا خود کاشتی سے زائد ملکیت کا حق دینے کے بعد دوسری ایسی پابندیاں لگا دی جائیں جس کی وجہ سے یہ حق بے معنی ہو کر رہ جائے ۔ ایسی حد بندیوں کیلئے فی الحقیقت کتاب و سنّت میں کوئی اصل موجود نہیں ہے"۔

(مسئلہ ملکیتِ زمین از ابو الاعلیٰ مودودی صفحہ ۹۳)

بٹائی کے معاملے کے حرام ہونے کے بارے میں مودودی صاحب نے تقریباً تمام احادیث اپنی مذکورہ بالا کتاب میں نقل کی ہیں ۔ ان میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جس کے مطابق رسول ؐ اللہ نے بٹائی کے معاملے کو خالص سُودی معاملہ قرار دیا تھا ۔ اب ان احادیث کا انکار تو ممکن نہیں تھا لیکن مودودی صاحب کے مفادات انہیں مجبور کر رہے تھے کہ وہ اس سُودی معاملے کو جائز قرار دے دیں ۔ چنانچہ انہوں نے ان صحیح احادیث کی عجیب تاویلات کیں ۔ اس سلسلے میں انہوں نے بعض صحابہ ؓ کا عمل پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان احادیث میں بٹائی کے اصول پر کاشت کرنے کے معاملے سے جو منع کیا گیا ہے تو اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان باہمی احسان اور فیاضی سے کام لیں ۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جس معاملے کو رسول ؐ اللہ خود اپنی زبانِ مبارک سے سُود قرار دیں ' صحابہ کرام ؓ اسے جائز قرار دے کر اس پر عمل کریں ۔ مودودی صاحب نے اس بارے میں جن واقعات کا سہارا لیا ہے وہ سب جھوٹے ہیں ۔ اس سلسلے میں وہ جو اہم ترین واقعہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے :-

" دوسری مفصل روایت میں یہ ہے کہ طاؤس اپنی زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے ۔ اس پر مجاہد نے کہا کہ چلو رافع بن خدیج کے بیٹے کا پاس چلیں ۔ وہ اپنے والد سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں (یہ حدیث سابقہ سطور میں پیش کی جا چکی ہے ۔ جس کے مطابق رسول اللہ صلعم نے زمین کی بٹائی کے معاملے کو خالص سُود قرار دیا تھا) ۔ مگر طاؤس نے ان کو ڈانٹ دیا اور کہا ' خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور ؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تو میں ایسا ہرگز نہ کرتا ۔ لیکن جو شخص رافع بن خدیج سے زیادہ علم رکھتا ہے یعنی ابن

عباسؓ اس نے مجھ سے کہا کہ حضورؐ نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو یونہی زمین دے دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ مقررہ لگان پر دے" (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۹۴)

ایک تو یہ روایت ہی غلط تھی، جس کا ثبوت آئندہ سطور میں پیش کیا جائے گا، دوسرے مودودی صاحب نے بددیانتی کا ارتکاب کرتے ہوئے اس میں اپنی طرف سے بھی اضافہ کر دیا۔ وہ اس روایت کو بیان کر دینے کے بعد مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے بٹائی کے معاملے کو حرام قرار دینے والی احادیث کا جواب دے دیا ہے مگر دیکھئے کہ ان کی پیش کردہ اس روایت کی حقیقت کیا ہے؟ اس روایت میں طاؤس کے یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص رافع بن خدیج سے زیادہ علم رکھتا ہے، مودودی صاحب نے اپنی طرف سے یعنی ابن عباسؓ لکھ کر یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن عباسؓ ہی تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کے متعین کرنے میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ ان کی مراد حضرت معاذؓ بن جبل سے تھی۔ چنانچہ حنفی فقہ کے ایک امام شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ حضرت طاؤس کے اس قول سے مراد، حضرت معاذؓ بن جبل ہیں نہ کہ ابن عباسؓ (المبسوط جلد ۔ ۲۳) ویسے مودودی صاحب اس آثار کے ذریعے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت طاؤس بٹائی کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت طاؤس بٹائی کے معاملے کی ہر صورت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ طاؤس ان لوگوں میں سے تھے، جو کسی شرط پر زمین کے بندوبست کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(فتح الباری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۱۹)

اس کی تائید علامہ شوکانی کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی مشہور کتاب نیل الاوطار میں نقل کی ہے کہ طاؤس اور ایک گروہ کہتا ہے کہ زمین کا کرایہ مطلقاً ناجائز ہے خواہ وہ زمین کی پیداوار کے ایک حصے کی شکل میں ہو، یا سونے یا چاندی کی شکل میں یا کسی اور صورت میں۔ اس کے باوجود مودودی صاحب اُوپر نقل کردہ کمزور واقعہ کو تقویت پہنچانے کیلئے حضرت طاؤس سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت

معاذؓ بن جبل ' اپنی زمین رسول ؐ اللہ کے زمانے میں اور آپ ؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک تہائی اور ایک چوتھائی پیداوار پر بٹائی کے لئے دیتے رہے۔

یہ روایت کئی لحاظ سے کمزور ہے۔ اول یہ کہ خود مودودی صاحب کے خیال کے مطابق ' حضرت طاؤس نے حضرت معاذؓ بن جبل کو دیکھا تک نہیں تھا۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۷۹) دوسرے یہ کہ حضرت معاذؓ بن جبل خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے دورِ حکومت میں طاعون عمواس میں وفات پا چکے تھے (تذکرہ الحفاظ جلد اول صفحہ ۲۰)۔ لیکن مودودی صاحب نے جو روایت نقل کی ہے ' اس کے مطابق وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت طاؤس سے جو روایات بھی منسوب کی گئی ہیں وہ غلط اور مشتبہ ہیں۔ اور پھر اگر علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ شوکانی کوئی ثقہ آدمی ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا ' کہ جن حضرت طاؤس سے جواز مزارعت کی روایات نقل کی گئی ہیں وہ خود مزارعت کی ہر صورت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر مودودی صاحب جوازِ مزارعت کی عمارت اُٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو عاشقِ رسول ؐ کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن بٹائی کے حرام ہونے کے بارے میں ' رسول ؐ اللہ سے جو احادیث منقول ہیں ' انہیں تسلیم کرنے کی بجائے آثارِ صحابہ کے حوالے سے ان کی تاویل کرتے ہیں۔ اور رسول ؐ اللہ نے جس سُودی معاملہ کو اپنی زبانِ مبارک سے حرام قرار دیا ' اسے جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح تو وہ ریت کی دیوار تعمیر کرتے ہیں جو کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ان میں سے بیشتر کا وہی حال ہے ' جو حضرت طاؤس کے وارد کردہ اثر کا ہوا۔ مثلاً امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابن سیرین ' زمین بٹائی پر دیتے تھے ' لیکن ان کی تالیف صحیح بخاری کے شارح علامہ عینی دعویٰ کرتے ہیں کہ ابن سیرین بٹائی کو ناجائز معاملہ قرار دیتے تھے۔ امام ابن حزم نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ ابن سیرین بٹائی کے تمام معاملات کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ (المحلی لابن حزم جلد ۸ صفحہ ۲۱۳)

مودودی صاحب کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ بٹائی کے سُودی معاملے کو جس طرح

جائز قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں ' اس کی بنیاد کمزور ہے اور یہ کہ اس مقصد کیلئے انہیں کوئی سہارا نہیں مل رہا۔ حالانکہ سُود ایک ایسی برائی تھی کہ جس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ نہ صرف سُود کو چھوڑ دیں بلکہ جن معاملات میں سُود کا معمولی سا شائبہ بھی پایا جائے انہیں بھی ترک کر دیا جائے۔ (کنز الاعمال جلد ۲ صفحہ ۲۳۱) اس کے برعکس مودودی صاحب ایک ایسے سُودی معاملے کو جائز قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں جسے رسول ؐ اللہ نے سب سے بڑا سودی معاملہ قرار دیا۔ اور جس کی تائید موجودہ دُور کی جدید علمی تحقیق سے بھی ہوتی ہے۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ صحیح احادیث کے تاویل کیلئے وہ جن آثارِ صحابہ کا سہارا لے رہے ہیں وہ نہایت ہی کمزور ہیں۔

مضاربت اور مزارعت

اس کمزوری کے احساس کے بعد وہ مزارعت کے سُودی معاملے کو جائز قرار دینے کیلئے ایک ایسے ہی دوسرے معاملے مضاربت کا سہارا لیتے ہیں جو اگرچہ ایک فقہی اصطلاح ہے لیکن بہت سے علمائے اسلام نے اس کی شرعی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں مودودی صاحب یہ استدلال فرماتے ہیں:۔

"جس طرح تجارت ' صنعت اور دوسرے کاروباری معاملات میں مضاربت جائز ہے ' بالکل اسی طرح زراعت میں مزارعت جائز ہے"

(مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۹۶)

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر اس مسئلہ کو ذرا زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اسلامی قانون نے تجارت ' صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا روپیہ دے سکتا ہے اور طے کر سکتا ہے کہ تو اس سے کاروبار کر ' نفع و نقصان میں آدھے یا چوتھائی کا میں شریک ہوں۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا سرمایہ کسی عمارت کی شکل میں ' کسی انجن یا مشین کی شکل میں ' کسی موٹر یا کشتی یا جہاز کی شکل میں دے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ تو اس میں

کام کر، نفع و نقصان میں میرا اتنا حصہ ہے۔ لیکن آخر اس بات کے لئے کونسی معقول وجوہ ہیں کہ ایک شخص اپنا سرمایہ زمین کی شکل میں دوسرے کو دے کر یہ نہ کہہ سکے کہ تو اس میں کاشت کر، پیداوار میں تہائی یا چوتھائی یا نصف کا میں شریک ہوں"۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۸۵)

ذرا اس عبارت کو دوبارہ پڑھئے اور مودودی صاحب کی بیان کردہ مضاربت کی تعریف ذہن نشین کر لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نفع و نقصان میں شرکت پر دوسرے کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے۔ یعنی ان کے نزدیک مضاربت کی تعریف یہ ہے کہ مضاربت والے کاروبار کے دونوں فریق، نفع و نقصان میں شریک ہونگے۔ مضاربت کی یہ تعریف بالکل غلط ہے جو مودودی صاحب کی اس اہم معاملے میں جہالت کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسلامی قانون میں مضاربت کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے:-

ھی فی اللغتہ عبارہ ان یدفع شخص مالا للاخر یتجر و فیہ علی ان یکون الربح بینھما علی ماشرطاو الخسارہ علی صاحب المال۔

(ترجمہ) مضاربت کا معاملہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو تجارت کرنے کے لئے مال دے کہ نفع تو ان کے درمیان شرائط کے مطابق تقسیم ہو گا لیکن اس کاروبار میں نقصان صاحبِ سرمایہ کے ذمّے ہو گا۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد سوم صفحہ ۴۳)

جس کتاب سے یہ حوالہ دیا گیا ہے مودودی صاحب، اسے اسلامی قانون کی ایک مستند کتاب قرار دیتے ہیں۔ اسی کتاب 'مسئلہ ملکیت زمین' کے صفحہ ۱۰۱ پر فرماتے ہیں کہ حال ہی میں الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کے نام سے ایک نفیس کتاب مصر سے شائع ہوئی ہے اور انہوں نے اس کتاب سے اپنی زیر تنقید تالیف میں جابجا حوالے دیئے ہیں۔

صرف اس نفیس کتاب پر ہی کیا موقوف ہے، فقہ کی کوئی سی کتاب اُٹھا کر دیکھ لیجئے، ان سب میں مضاربت کی یہی تعریف درج ہو گی کہ فریقین نفع میں شریک ہونگے لیکن کاروبار میں نقصان کا ذمہ دار صاحبِ سرمایہ ہو گا۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ مودودی صاحب مضاربت کی صحیح تعریف تک سے ناواقف ہیں اور اس کے حوالے سے سُود کو جائز

قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان کا استدلال اتنا کمزور ہے کہ اگر وہ اس پر تھوڑا سا غور ہی کر لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ مضاربت اور ہمارے ملک میں مروّج بٹائی کے معاملے میں دُور کا تعلق بھی نہیں۔ کیونکہ مزارعت کے سلسلے میں اگر فصل تباہ ہو جائے تو بیچارے مزارع کی محنت بھی اکارت جاتی ہے۔ اس نے فصل کیلئے جو بیج استعمال کیا ہوتا ہے وہ بھی ضائع جاتا ہے اور بیلوں کے اخراجات بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ لیکن زمین کے مالک کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہتی ہے۔ مختصر یہ کہ مودودی صاحب کی مضاربت کی غلط تعریف کی صورت میں بھی سارا نقصان' مزارع کو اُٹھانا پڑتا ہے' مالک زمین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا جبکہ اگر کسی تجارتی معاملے میں نقصان ہو تو یہ نقصان دونوں شریک برداشت کرتے ہیں۔ سرمایہ والے فریق کا مالی نقصان ہوتا ہے اور محنت کرنے والے فریق کی محنت کا نقصان ہوتا ہے۔

مضاربت اگرچہ ایک فقہی اصطلاح ہے' لیکن بعض ائمہ اسلام نے اس کی شرعی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ امام ابن حزم نے اپنی ایک کتاب مراتب الاجماع میں اس بارے میں وضاحت کی ہے کہ اسلامی فقہ کے ہر باب کی اصل کتاب و سُنّت میں ملتی ہے' لیکن مضاربت کے معاملے کی کوئی اصل قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ (نیل الاوطار جلد پنجم صفحہ ۲۸۲) یہ زمانۂ جاہلیت کا ایک کاروباری معاملہ تھا' جسے بعض فقہاء نے اختیار کر لیا تھا۔ لیکن اس کی انہوں نے عام اجازت نہیں دی تھی صرف مجبوری کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ حنفی فقہ کے ایک مشہور امام شمس الائمہ سرخسی اس بارے میں فرماتے ہیں:۔

ان بالناس حاجتہ الی عقد المضاربتہ فصاحب المال قد یکون عاجزا عن التصرف بنفسہ فی مالہ

(ترجمہ) مضاربت کے اصول پر لوگوں کو کام کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے کیونکہ ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے لیکن بعض حالات میں وہ کاروبار کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ (المبسوط جلد ۲۳ صفحہ ۱۷)

مضاربت کے کاروبار کا ایک اور اصول بھی ہے کہ سفر کی حالت میں کام کرنے

والے فریق کے تمام اخراجات بھی صاحبِ مال حصہ دار کے ذمے ہوتے ہیں ۔ اس بارے میں امام مالکؒ نے یہ فتویٰ دیا تھا:۔

و نفقتہ العامل مل عن المال فی سفرہ من طعامہ و کسوتہ و ما یصلحتہ بالمعروف بقدر المال۔

(ترجمہ) کام کرنے والا فریق جب سفر پر جائے گا تو اس کا تمام سفر خرچ یعنی کھانا، کپڑا اور دوسرے معروف اخراجات سرمائے سے پورے کئے جائیں گے (تنویر الحوالک شرح موطاء امام مالک جلد دوم صفحہ ۸۸)

اگر مودودی صاحب کی مضاربت کی غلط تعریف مان بھی لی جائے تو پھر بھی اس کے حوالے سے مزارعت کو کسی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس معاملے کی رُو سے مالک زمین، نفع میں تو شریک ہو گا، لیکن اگر فصل تباہ ہو گئی تو سارا نقصان غریب مزارع کا ہو گا۔ مالک کی زمین تو پہلے کی طرح محفوظ رہے گی۔ لیکن جب مضاربت کے تجارتی معاملے میں نقصان ہو گا تو اس نقصان کا ایک حصہ صاحب سرمایہ بھی برداشت کرے گا۔

مضاربت کی تعریف میں چپکے سے اصلاح

جب راقم کے سامنے مودودی صاحب کی مضاربت کی یہ غلط تعریف آئی تھی تو اس وقت تک راقم کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ان کی خدمت میں پیش ہو کر مؤدبانہ عرض کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" میں مضاربت کی غلط تعریف کی ہے۔ مودودی صاحب تو خاموش ہو گئے لیکن ان کے ساتھ ہی جماعت اسلامی کے ایک دوسرے لیڈر جناب نعیم صدیقی صاحب بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے راقم کا مذاق اُڑانا شروع کیا کہ مودودی صاحب کی کتاب کتنے مقامات پر غلط ہو گئی ہے۔ راقم نے اس وقت چونکہ نعیم صدیقی صاحب کی تصنیفات سمیت جماعت اسلامی کا سارا لٹریچر پڑھ رکھا تھا انہیں فوراً جواب دیا کہ مودودی صاحب کی کتاب مسئلہ ملکیت زمین تو اَسّی نوّے مقامات پر غلط ہوئی ہے لیکن ان کی یعنی نعیم صدیقی صاحب کی کتاب "معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل" کی ایک ایک سطر غلط ہو گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی ساری بحث کی

عمارت مضاربت کے غلط مفہوم کی بنیاد پر اُٹھائی ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی راقم نے انہیں چیلنج کیا کہ فقہ کی کوئی کتاب اُٹھا کر دیکھ لی جائے اس میں مضاربت کی ایک ہی تعریف بیان کی گئی ہے کہ فریقین کے درمیان ' نفع میں تو شرکت ہو گی لیکن نقصان کی صورت میں سب کا سب صاحبِ سرمایہ کو برداشت کرنا ہو گا ۔

اتفاق سے اس وقت مودودی صاحب کی میز پر الفقہ علی المذاہب الاربعۃ نامی کتاب موجود تھی ۔ راقم نے اس کی جلد سوم کے صفحہ ۴۳ سے مضاربت کی تعریف نکال کر ان کے سامنے رکھ دی ' جسے پڑھ کر مودودی صاحب اور نعیم صدیقی صاحب دونوں خاموش ہو گئے ۔

مودودی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کی کسی علمی غلطی کی نشاندہی کی جائے گی تو وہ اسے خوشی سے تسلیم کر لیں گے ۔ ان کی اس غلطی سے چونکہ سُود جیسا حرام' حلال قرار دیا جا چکا تھا ' اس لئے راقم نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس غلطی کی اصلاح کا اعلان اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن کی کسی اشاعت میں کر دیں ۔ لیکن انہوں نے ایسا تو نہ کیا البتہ مسئلہ ملکیت زمین نامی اپنی کتاب میں اَسّی نوّے مقامات پر مضاربت کی تعریف کی اصلاح کر دی ۔ لیکن کتاب کے دیباچہ میں بھی اس اہم غلطی کی طرف اشارہ نہ کیا ۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے بعد میں اہلِ پاکستان کو کافی نقصان اُٹھانا پڑا ۔

پی ۔ ایل ۔ ایس اکاؤنٹ کی بنیاد مضاربت کی غلط تعریف پر

مودودی صاحب نے جب چپکے سے یہ اصلاح کر دی تو راقم نے ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت بابت دسمبر ۱۹۷۱ء میں ایک مضمون کے ذریعے اس امر کی نشاندہی کر دی کہ مودودی صاحب نے راقم کی توجہ دلانے پر اس اہم غلطی کی اصلاح تو کر دی ہے لیکن کتاب کے دیباچے میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اس سے دین اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور جیسا کہ راقم کو خدشہ تھا ' بعد میں اسلامی احکامات کو اس غلط تعریف اور اس کے بارے میں مودودی صاحب کے غلط رویئے کی وجہ سے شدید نقصان پہنچا ۔ حکومتِ پاکستان نے جب ملک میں سُودی نظام کے ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو بینکوں میں نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر کھاتے جاری کرنے کی اجازت دی ۔ یہ کھاتے عام طور پر پی ۔

ایل ۔ ایس اکاؤنٹ کے نام سے مشہور ہیں ۔ ان کھاتوں کے مطابق بینکوں میں رقم جمع کرانے والوں کو بینک کے کاروبار میں شریک سمجھا جاتا ہے ۔ پہلے جو رقم انہیں سُود کے نام پر دی جاتی تھی ' اب منافع کے نام پر دی جانے لگی ۔

اعلان یہ کیا گیا کہ اسلامی بینکاری کا یہ نظام مضاربت کے اصولوں کی روشنی میں وضع کیا گیا ہے ۔ لیکن اگر مضاربت کی صحیح تعریف کو سامنے رکھا جائے ' تو کاروبار میں نقصان کی صورت میں سارا نقصان کھاتے دار کو برداشت کرنا چاہئے ۔ یا بینک جو اسی اصول کی بنیاد پر کسی کو قرض دیتا ہے تو بینک کو یہ نقصان برداشت کرنا چاہئے ۔ یہاں دونوں فریقوں کو نقصان کا ذمہ دار قرار دیا گیا ۔ ایسی کوئی اصطلاح اسلامی قانون میں موجود نہیں تھی ۔ چنانچہ راقم نے ایک مضمون کے ذریعے متعلقہ حکام کی توجہ اس طرف دلائی تو انہوں نے مودودی صاحب کی کتاب " مسئلہ ملکیت زمین " کے پہلے ایڈیشن کا حوالہ دیتے ہوئے مضاربت کی تعریف نفع و نقصان میں شرکت بتائی ۔

اس کے بعد راقم نے جماعت اسلامی کے بعض لیڈروں کی اس طرف توجہ دلائی کہ مودودی صاحب اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس غلط تعریف کو بدل چکے تھے ' اب ان کے پہلے ایڈیشن میں درج شدہ غلط تعریف کے حوالے سے حکومت نے بینکوں کے سُود کو بھی جائز قرار دے دیا ہے ' ان حضرات کو اس بارے میں وضاحت کرنی چاہئے اور اس طرح مودودی صاحب کی مضاربت کی غلط تعریف کے حوالے سے سُودی معاملات کو جس طرح جائز قرار دیا گیا ' اس کی تردید کرنی چاہیے ' وگرنہ اس گناہ کا بوجھ بھی مودودی صاحب کے کندھوں پر پڑتا رہے گا ۔ لیکن جہاں تک راقم کی معلومات کا تعلق ہے ' جماعتِ اسلامی کی جانب سے ابھی تک ایسی کوئی وضاحت شائع نہیں کی گئی ۔

جب دورِ نبویؐ کے بعد اسلامی فقہ کی تدوین کی گئی تو چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ ' یعنی امام ابو حنیفہؒ ' امام مالکؒ ' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل نے بٹائی کے معاملے کو ناجائز قرار دیا ۔ ان کے بعض شاگرد جنہوں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی ' انہوں نے اس معاملے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا ۔ مودودی صاحب چونکہ بٹائی کے سُودی معاملے کو جائز کرنے پر تلے ہوئے تھے انہوں نے فقہی مذاہب کے بانیوں کے فتاویٰ کو تو درخورِ اعتنا

نہ سمجھا' ان کے بعض شاگردوں کے فتاویٰ پر اس سودی معاملے کو جائز قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ۔ حالانکہ مودودی صاحب سُود کی وہ تعریف ہی اپنے سامنے رکھ لیتے جو انہوں نے اپنی سُود نامی کتاب میں بیان کی تھی ' تو انہیں یقین ہو جاتا کہ بٹائی کا معاملہ خالص سُودی کاروبار ہے ۔ سُود کی حرمت کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے مودودی صاحب فرماتے ہیں :-

" تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان ' محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ لیتا ہے مگر سُودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت اور صرفِ کمال کے دوسروں کی کمائی میں شریکِ غالب بن جاتا ہے ۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت ' نفع کے تناسب سے ہوتی ہے ۔ بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلحاظِ نفع و نقصان اور بلالحاظِ تناسب نفع ' اپنے مقرر اور مشروط منافع کا دعویدار ہوتا ہے "۔

(سود حصہ اول از سید ابو الاعلیٰ مودودی طبع سوم صفحہ ۳۷)

دیکھئے مودودی صاحب نے سود کی جو یہ تعریف بیان کی ہے وہ مزارعت کے معاملے پر ٹھیک ٹھیک منطبق نہیں ہو رہی ۔ کیا وہ یہی نہیں فرما رہے کہ ایک آدمی جب اپنی زائد رقم دے کر دوسرے کی کمائی میں نفع کا شریک ہو جاتا ہے تو اسے سُود کہتے ہیں ؟ تو کیا زمین کی اس پیداوار کو سُود نہیں کہا جائے گا جو آپ ' اپنی ضرورت سے زائد زمین کسی کاشتکار کے حوالے کرکے حاصل کریں گے ۔ کاشتکار بیچارہ سارا سال محنت کرتا ہے ' گرمیوں کا سورج اس کا پنڈا جھلس دیتا ہے ' جاڑوں کی کڑکڑاتی سردی اس کا لہو منجمد کر دیتی ہے ' مگر جب فصل تیار ہوتی ہے تو اس کا خون پسینہ ایک کرکے پیدا کی ہوئی کمائی میں آرام سے گھر بیٹھنے والا مالکِ زمین " یعنی سرمایہ دار بھی شریک ہو جاتا ہے ۔

مختصر یہ کہ سُود شریعتِ اسلامی کے مطابق سب سے بڑا گناہ ہے ' جسے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول " یعنی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت قرار دیا ہے ۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ نہ صرف سُودی معاملات بلکہ جن میں سُود

کا معمولی سا شائبہ ہی کیوں نہ ہو اسے ترک کر دیں ۔ لیکن اس کے برعکس مودودی صاحب سُود کے سب سے بڑے معاملے، جسے خود رسول ؐ اللہ نے سُود قرار دیا تھا اور جو زمانۂ جدید کی علمی تحقیق کے مطابق سُودی کاروباری کی سب سے بڑی شکل تھی، کو جائز قرار دینے کیلئے ایک پوری کتاب تصنیف فرماتے ہیں ۔ اور اس طرح وہ حرام سُود کو حلال قرار دے کر مفکرِ قرآن کا لقب پاتے ہیں ۔ قرآنِ مجید کے احکامات میں اس سے زیادہ تحریف کیا ہو گی!

چھٹا باب

قرآن مجید اور خاندانی منصوبہ بندی

تیسرا اہم مسئلہ جس کے بارے میں مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول میں غلط تفسیر پیش کی ہے ' وہ خاندانی منصوبہ کا مسئلہ ہے جو پہلے ضبطِ ولادت کے نام سے مشہور تھا۔ اب چونکہ آبادی کے بڑھنے سے معاشرتی مسائل میں اضافہ ہوتا جاتا ہے تو اس کے تدارک کیلئے اکثر ملکوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم کو اپنایا ہے۔ مودودی صاحب نے اس سکیم کی مخالفت میں ایک پوری کتاب 'اسلام اور ضبطِ ولادت' کے عنوان سے لکھی جس میں انہوں نے ضبطِ ولادت کو خلافِ اسلام ثابت کیا ہے۔ لیکن قارئین حیران ہونگے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو خلافِ اسلام ثابت کرنے کیلئے قرآن ' حدیث یا فقہ سے ایک بھی دلیل نہیں دی۔ بلکہ اس مقصد کیلئے انہوں نے ان کیتھولک پادریوں کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کے تصوّر کے خلاف ہیں۔

جہاں تک شرعی دلائل کا تعلق ہے مودودی صاحب نے اپنی اس دو صد صفحات کی کتاب میں صرف پانچ صفحات پر کمزور روایات نقل کی ہیں۔ حالانکہ اس بارے میں واضح اجازت خود رسول ؐ اللہ سے منقول ہے۔ صحابہ کرامؓ نہ صرف یہ کہ ضبطِ ولادت کے طریقوں پر عمل کرتے تھے بلکہ اسے قرآنِ مجید سے ثابت کرتے تھے۔ ایسا ہی استدلال ائمہ فقہ سے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ منقول ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے اپنی کتاب اسلام اور ضبطِ ولادت میں ' ان احادیثِ نبویؐ ' استدلالِ صحابہؓ اور فقہائے عزام کے فتاویٰ کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کی بجائے انہوں نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن کی پہلی جلد میں ' ضبطِ ولادت کو جائز سمجھنے والوں کو شیطان کے شاگرد قرار دیا ہے۔ چونکہ ان کے اس طنز کی زد ' اُمّتِ مسلمہ کی ان برگزیدہ ہستیوں پر جا پڑتی ہے جنہوں نے قرآنِ مجید سے ضبطِ ولادت کا جواز ثابت کیا ہے ' اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان ہستیوں کے استدلال کو من و عن پیش کر دیا جائے ' تاکہ معلوم ہو سکے کہ مودودی صاحب علومِ قرآن

سے کس حد تک کورے ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کو شریعتِ اسلامی میں ناجائز ثابت کرنے کیلئے انہوں نے اہل یورپ کے جن اعتراضات کا سہارا لیا ہے ' ان کا بھی تجزیہ کیا ہے کہ ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ۔ یعنی ضبطِ ولادت کو ناجائز ثابت کرنے کیلئے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر مودودی صاحب نے جس کمزور استدلال کا سہارا لیا ہے اس کی کمزوری بھی ان پر واضح کر دی ہے ۔ لیکن پہلے اس بارے میں صالحینِ اُمّت کا نقطۂ نظر ملاحظہ فرمائیں۔

خاندانی منصوبہ کوئی جدید مسئلہ نہیں

زمانہ جدید کے اکثر مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق عام طور پر یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ اسی زمانہ کی پیداوار ہیں اور آج سے پہلے ان کا کوئی وجود نہ تھا ۔ انہی میں سے ایک مسئلہ خاندانی منصوبہ بندی کا ہے ' حالانکہ یہ مسئلہ کم و بیش ہر زمانے میں موجود رہا ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی زمانے میں اس کا کوئی ایک پہلو اُجاگر ہوا اور کسی زمانے میں کوئی دوسرا ۔ ہمارے زمانے میں خاندانی منصوبہ بندی چونکہ معاشی نقطۂ نظر سے اُجاگر ہوئی ہے ' اس لئے بعض لوگ اسے بھی ایک جدید مسئلہ سمجھنے لگ گئے ہیں ۔ حالانکہ خود اسلامی تاریخ کے زمانۂ تشریع میں اس مسئلہ کا وجود ملتا ہے ' جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت اس کی شرعی حیثیت متعین ہوئی ۔

اس مسئلہ کو جدید قرار دے کر اس کی شرعی حیثیت کے متعلق یہ تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سلفِ صالحین سے اس سلسلے میں کچھ بھی منقول نہیں ۔ اس کے بعد اپنی من مانی تاویلات کے ذریعے اسے حرام قرار دیا جا رہا ہے ۔ حالانکہ سلفِ صالحین نے قرآن و سُنّت کی روشنی میں اس کے متعلق اتنا کچھ فرما دیا ہے کہ اس پر مزید کسی اضافہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ان معدودے چند مسائل میں سے ایک ہے جس پر ہمارے مذاہب اربعہ کے ائمہ مجتہدین کا مکمل اتفاق ہے ۔ بعد میں ان کے حوالے سے اس بارے میں قرآنِ حکیم کا فیصلہ بھی قارئین کے سامنے لایا جائے گا ۔ لیکن پہلے ائمہ فقہ کا متفقہ فتویٰ ملاحظہ ہو ۔

امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اما العزل فقد حرمہ طائفۃ لکن الائمۃ الاربعۃ علی جوازہ باذن المراۃ۔

(ترجمہ) کچھ اہل علم نے عزل کے جواز کو تسلیم نہیں کیا لیکن مذاہب اربعہ (مالکیہ، شافعیہ، حنفیہ، حنبلیہ) کے ائمہ کے نزدیک یہ بیوی کی اجازت سے جائز ہے۔

اہلِ علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں فقہ کی تدوین کے بعد اُمّت کی اکثریت کے نزدیک قرآن و سنت کی صرف وہی فقہی تعبیر و تفسیر معتبر سمجھی جانے لگی جو ائمہ مجتہدین سے منقول ہوتی، یہ نظریہ ابھی تک قائم ہے۔ بلکہ یہ پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر چکا ہے۔ ان کا اندازہ آپ کو مولانا محمد شفیع صاحب کے ان الفاظ سے ہو گا:۔

"ہر کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں کہ پوری دنیائے اسلام بجز عدد قلیل کے انہیں ائمہ مجتہدین کو قرآنی قانون کی تعبیر میں حجّت (اتھارٹی) تسلیم کرتی ہے۔ قرآن و سُنّت کے قانون کی کوئی تعبیر ان کے خلاف قابلِ اعتماد نہیں سمجھتی اور پاکستانی عوام کی اٹھانوے فیصد اکثریت حنفی المذہب ہے۔ اگر دوسرے اماموں کی فقہ میں گنجائش بھی ہوتی، جب بھی ملک کی اتنی بڑی اکثریت کے مذہبی مسلک کے خلاف کوئی قانون بنانا صحیح نہ ہوتا"۔

اس اصول کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہمارا کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں صرف اس قرآنی استدلال کو پیش کر دینا کافی ہے جو ائمہ مجتہدین سے منقول ہو۔ فقہاء کرام کسی چیز کی حرمت و حلت کا فیصلہ کرتے وقت صرف احادیث ہی کو سامنے نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اس سلسلے میں قرآنی حجّت تلاش کرتے تھے۔ یہی حال ہمارے اس خاص مسئلہ کا ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ عوام کی اکثریت حنفی المذہب ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس استدلال کو پیش کیا جائے جو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے قرآنِ حکیم سے فرمایا ہے۔

قرآنی آیت "نساؤکم حرث لکم"

حنفی فقہ کے مطابق قرآنِ مجید کے مفسر علامہ ابوبکر جصاص نے قرآنی آیت نساؤکم حرث لکم (البقرہ) تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں کی تفسیر ان الفاظ میں نقل

کی ہے:-

وقد روی عن ابن عمر فی قولہ (نساو کم حرث لکم) قال کیف شئت ان شئت عزلا او غیر عزل رواہ ابو حنیفتہ عن کثیر الریاح الاصم عن ابن عمر و روی نحوہ عن ابن عباس و ھذا عندنا فی ملک الیمین و فی الحرہ اذا اذنت فیہ و قد روی ذلک علی ما ذکرنا من مذھب اصحابنا عن ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و ابن مسعودؓ و ابن عباس و اخرین غیرھم۔[۳]

(ترجمہ) نساؤ کم حرث لکم (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں) کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ چاہے عزل کرو یا نہ کرو۔ امام ابو حنیفہؒ نے کثیر الریاح سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیا اور حضرت عباسؓ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔ ہمارے نزدیک (مُراد حنفیہ) یہ اجازت لونڈی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آزاد عورت کی اجازت ضروری ہے۔ حنفیہ کا یہ مسلک حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے اجل صحابہؓ سے مروی ہے۔

یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آیت کی یہ تفسیر صرف احناف ہی نے روایت کی ہے۔ آپ جو بھی معتبر تفسیر اٹھا کر دیکھیں گے اس آیت کی تفسیر میں آپ یہ قول ضرور پائیں گے:-

وقال اخرون معنی ذلک ائتوا حرثکم کیف شئتم فاعزلوا ان شئتم وان شئتم فلا تعزلوا۔[۴]

(ترجمہ) اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ جیسے تم چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ کے معنی یہ ہیں کہ چاہے تم عزل کرو یا نہ کرو۔

اسی تفسیر طبری کے حاشیہ پر ایک دوسری اہم تفسیر، تفسیر نیشاپوری ہے۔ اس بارے میں اس کے الفاظ یہ ہیں:-

وعن ابن عباس المعنی ان شاء عزل و ان شاء لم یعزل۔[۵]

(ترجمہ) اس آیت کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ چاہے عزل کرو

یا نہ کرو۔

امام فخر الدین رازی نے یہی کچھ بیان فرمایا ہے:۔

قال ابن عباس المعنی ان شاء عزل و ان شاء لم یعزل و ھو منقول عن سعید بن المسیب[۶]۔

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ چاہے عزل کرو یا نہ کرو اور یہی معنی حضرت سعیدؒ بن المسیب سے منقول ہیں۔

فقہاء کے نزدیک عزل کا مفہوم

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت کرنے والوں کو بات بنتی نظر نہ آئی تو پھر انہوں نے عزل کی اصطلاح ہی کو گول مول کرنا شروع کر دیا اور اس کو اپنا من مانا مفہوم پہنانے کی کوشش کی۔ دیانت داری کا تقاضا تو یہ ہے کہ عزل کے اس مفہوم کو سامنے رکھا جائے جو فقہاء نے متعین کیا ہے اور عام طور پر ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے:۔

حکم العزل ھذا یجری علی استعمال دواء لمنع الحمل موقتا و یجری علی اسقاط النطفۃ قبل نفخ الروح فیھا فان الحکمۃ فی الکل واحدہ و ھی منع الحمل و اللہ اعلم[۷]۔

(ترجمہ) عزل کے حکم میں حمل روکنے کی دوا اور نفخِ روح سے پہلے حمل گرا دینا بھی شامل ہے کیونکہ ان تمام میں ایک ہی حکمت ہے اور یہ حمل کا روکنا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کی تشریح ان الفاظ میں بیان کی ہے:۔

اس یعنی خاندانی منصوبہ بندی کی جو صورت اس زمانے میں معروف تھی، اسے عزل کہا جاتا ہے یعنی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے مادہ تولید رحم میں پہنچنے نہ پائے خواہ مرد کوئی صورت اختیار کرے یا عورت فم رحم کو بند کرنے کی کوئی تدبیر کرے[۸]۔

امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

خاندانی منصوبہ بندی کے جواز میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر تو کافی ترقی پسندانہ ہے۔ دوسرے ائمہ مجتہدین جہاں عام حالات میں عزل کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری قرار دیتے ہیں، آپ اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ۹۔ آپ نے فانکحوا ما طاب لکم من النساء کی جو تفسیر کی ہے، وہ نہ صرف خاندانی منصوبہ بندی کی تائید میں ایک بہت بڑی دلیل ہے بلکہ اس سے ایک اور اہم مسئلہ تعدّدِ ازواج بھی واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہ دونوں مسائل ہی تو ایسے ہیں جن کے متعلق بار بار یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ مغرب کی جھوٹی نقالی میں کیا جا رہا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے اور جسے بڑے ثقہ مفسرین نے ترجیح دی ہے، معترض حضرات کے بے جا اعتراضات کا مسکت جواب ہے۔ پہلے وہ آیت اور اس کے متداول معانی ملاحظہ ہوں:۔

و ان خفتم الا تقسطو افی الیتمی فانکحو اما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع فان خفتم الا تعدلو افواحدہ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا۔ (النساء ۳)

(ترجمہ) اگر تم یتیموں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی سے شادی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔

امام شافعیؒ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شادی کو ایک بیوی تک محدود رکھنے کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے: تاکہ تم زیادہ عیال دار نہ ہو جاؤ:۔

و قد حکی عن الامام الشافعیؒ انہ فسر ان لا تعولو ابان لا تکثر عیالکم (۱۰)

(ترجمہ) امام شافعیؒ نے ان لا تعولوا کی تفسیر بیان فرمائی ہے کہ ان لا تعیلوا یعنی تاکہ تم زیادہ عیال دار نہ ہو جاؤ۔

آخر خاندانی منصوبہ بندی کا اس سے زیادہ اور کیا مقصد ہے؟

اگرچہ بڑے بڑے ثقہ اور معتبر مفسرین مثلاً علامہ الوسی صاحب روح المعانی اور علامہ فخرالدین رازی صاحب تفسیر کبیر نے امام شافعیؒ کی تفسیر ہی کو ترجیح دی ہے، تاہم بعض حضرات نے لُغت کے اعتبار سے اس تفسیر پر اعتراض کیا ہے جس کا ان مفسرین نے بڑا مفصل اور مُدلّل جواب دیا ہے اور لغت اور فصحائے عرب کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر عین لغتِ عرب کے مطابق ہے۔ علامہ الوسی فرماتے ہیں :-

و ذکر فی الکشف انہ لا حاجتہ الی اصل الجواب عن الامام الشافعی فان الکسائی نقل عن فصحاء العرب عال یعول اذا کثر عیالہ و بمن نقلہ الاصمعی و الازھری۔[۱۱]

(ترجمہ) کتاب الکشف میں مذکور ہے کہ امام شافعی کی تفسیر پر اعتراض کا لمبا چوڑا جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ الکسائی نے فصیح عربوں سے 'عالَ' کے یہی معنی نقل کئے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہو جائیں۔ الاصمعی اور الازھری جیسے ماہرین لغت و ادب نے یہی معنی اختیار کئے ہیں۔

علامہ الوسی مزید فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر کوئی نئی نہیں بلکہ سلفِ صالحین سے بھی منقول ہے :-

و ھذا التفسیر نقلہ ابن ابی حاتم عن زید بن اسلم و ھو من اجلتہ التابعین و قراہ طاؤس ان لا تعیلوا و ھو یدۃ لہ فلا و جہ لتشنیع من شنع علی الامام جاھلا باللغات و الاثار۔[۱۲]

(ترجمہ) اور اس آیت کی ایسی ہی تفسیر ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے اور وہ نامی گرامی تابعی ہیں اور حضرت طاؤس کی قرأت 'ان لا تعیلوا' اس کی تائید کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے امام شافعیؒ پر بلاوجہ اعتراض کئے ہیں وہ لغت اور آثار سے ان کی جہالت پر مبنی ہیں۔

علامہ الوسی صاحب اس کے بعد امام القراء الدوری کا یہ فیصلہ کن قول پیش کرتے ہیں کہ یہ لغت حمیر ہے اور اس لغت میں اس کے وہی معنی ہیں جو امام شافعیؒ نے بیان

CamScanner

فرماتے ہیں :-

وقدنقل الدوری امام القراء انها لغتہ حمیر وانشد :-

وان الموت تاخذ کل حی　　بلا شک وان امشی وعالا

ای وان کثرت ماشیتہ وعیالہ۔[۱۳]

(ترجمہ) امام القراء الدوری نے نقل کیا ہے کہ "یعنی تعولوا کے معنی عیالدار ہونا" قبیلہ حمیر کی لغت ہے اور اس کی تائید میں یہ شعر پڑھا۔

بے شک موت ہر زندہ کو جالیتی ہے ' چاہے اس کے مویشی اور عیال کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ یعنی "امشی وعالا" کے معنی ہیں کہ اس کے مویشی اور عیال کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

امام فخرالدین رازی ' صاحب تفسیر کبیر نے امام شافعیؒ کی تفسیر کو ترجیح دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔

" وھو ان الوجہ الذی ذکرہ الشافعی ارجح لانہ لو حمل علی الجور لکان تکرارا لانہ فھم ذلک من قولہ فان خفتم الا تقسطوا۔ اما اذا حملناہ علی ماذکرہ الشافعی لم یلزم التکرار لکان اولیٰ۔[۱۴]

(ترجمہ) امام شافعیؒ کی تفسیر اس لئے قابل ترجیح ہے کہ اگر تعولوا کے معنی ظلم کے لئے جائیں تو پھر اس آیت میں تکرار واقع ہوتا ہے 'کیوں کہ یہ مفہوم تو انصاف نہ کرنے کے خدشہ سے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن اگر امام شافعیؒ کے بیان کردہ معانی لئے جائیں تو پھر کسی قسم کا تکرار لازم نہیں آتا اس لئے یہی تفسیر عمدہ ہے۔

اس کے علاوہ ائمہ موصوف نے اس تفسیر کو ترجیح دینے کے کچھ اور وجوہ بھی بیان فرمائے ہیں اور سب وجوہ کے بیان کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیتے ہیں :-

فثبت بھذہ الوجوہ ان الذی ذکرہ امام المسلمین الشافعیؒ فی غایتہ الحسن وان الطعن لا یصدر الا عن کثرہ الغباوۃ وقلتہ المعرفتہ۔[۱۵]

(ترجمہ) ان تمام وجوہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو تفسیر امام شافعیؒ نے بیان کی ہے وہ عمدہ ترین ہے اور جن لوگوں نے آپ پر اس سلسلے میں اعتراض کئے ہیں ' وہ کم علمی پر

مبنی ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں :۔

قال ابو حاتم کان الشافعی اعلم بلسان العرب منا فلعلہ لغتہ و یقال ھی لغتہ حمیر و قال البیضاوی انہ من عال الرجل عیالہ یعولھم اذا مانھم فعبر عن کثرۃ العیال بکثرۃ المئون علی الکنایتہ و قرء طلحتہ بن مصرف الا تعیلوا ایوید قول الشافعی۔[16]

(ترجمہ) ابو حاتم فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ ہم سے زیادہ لغت عرب کے جاننے والے تھے، پس شاید کہ یہ کسی قبیلہ کی لغت ہو اور کہا گیا ہے کہ یہ حمیر کی لغت ہے اور امام شافعیؒ نے اس کا مطلب اخراجات کا پورا کرنا لکھا ہے پس بطور کنایہ زیادہ عیالدار پر زیادہ اخراجات مراد ہیں اور طلحہ کی قرأت 'الا تعیلوا' امام شافعیؒ کے قول کی تائید کرتی ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کی تائید میں مختلف ائمہ و مفسرین کے جو اقوال ہم نے نقل کئے ہیں، اس میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ صرف وہی اقوال نقل کئے جائیں جو بالکل واضح اور دو ٹوک ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کو سب سے زیادہ صحیح طریقہ پر سمجھنے والے صحابہؓ تھے جو اس کے سب سے پہلے مخاطب تھے اور جو ہر قسم کی اُلجھن کو خود حضورؐ سے پوچھ کر صاف کر لیا کرتے تھے۔ ان حضرات کا یہ فرمانا کہ وہ ضبطِ ولادت کی اجازت کو قرآنی اجازت سمجھتے ہیں بہت وزن رکھتا ہے۔ صحابہؓ کرام اس کے جواز میں یہ فرمایا کرتے تھے :۔

فعلناہ فی زمن التشریع و لو کان حراما لم نقر علیہ و الی ذلک یشیر قول ابن عمر کنا نتقی الکلام و الانبساط الی نساءنا ھیبتہ ان ینزل فیناشی علی عھد النبی صلی اللہ علیہ و سلم فلما مات النبی صلعم تکلمنا و انبسطنا۔[17]

(ترجمہ) ہم نے زمانہ تشریع میں عزل کی اجازت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر یہ حرام ہوتا تو ہم اس پر قائم نہ رہ سکتے (حالانکہ صحابہ کرامؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا) جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالتؐ میں ہم اس خوف سے کہ

مبادا ہمارے متعلق قرآنِ حکیم نازل نہ ہو جائے اپنی بیویوں سے کھل کر بات کرنے اور ہنسنے سے بھی کتراتے تھے۔ ہم نے ایسا صرف حضورؐ کی وفات کے بعد ہی کیا۔

اس واقعہ سے صحابہ کرامؓ کی احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ اس احتیاط کے باوجود انہوں نے زمانۂ تشریع میں عزل کی اجازت سے فائدہ اٹھایا اور قرآنِ حکیم میں ان کو اس فعل سے روکنے کے لئے کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔

حضرت جابرؓ کی یہ صحیح روایت بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اس فعل کی توثیق کرتی ہے:۔

عن جابر قال کنا نعزل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و القران ینزل۔

متفق علیہ ۱۸

حضرت جابر سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں جب کہ احکام قرآنی کا سلسلہ نزول جاری تھا تو ہم لوگ عزل کرتے تھے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی اور قتل اولاد

لیکن مقامِ حیرت ہے کہ ان تمام واضح اور دو ٹوک فیصلوں اور تفسیروں کو بالکل نظر انداز کر کے قرآنِ حکیم سے اشاروں کنائیوں سے خاندانی منصوبہ کی حرمت ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مضمون کے خاتمہ سے پہلے خاندانی منصوبہ بندی کی قرآن سے حرمت ثابت کرنے والوں کی قرآنی دلیل کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ ان کی سب سے بڑی دلیل یہ آیت ہے۔

و لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خطاء کبیرا

(بنی اسرائیل۔۳۱)

(ترجمہ) فقر و فاقہ کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم ہی انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل کر دینا بڑی ہی غلطی کی بات ہے۔

اس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں کہ اولاد کا قتل کر دینا ہر لحاظ سے بری بات ہے اور دنیا کے تمام ممالک میں یہ قانونی جرم ہے۔ اسلام کے نزدیک بھی یہ ویسا ہی جرم ہے اور وہ ممالک جہاں خاندانی منصوبہ بندی پر سرکاری طور پر عمل کرایا جا رہا ہے وہاں بھی یہ ایسا

ہی جرم ہے، جیسا کہ ان ممالک میں جہاں اس پر عمل نہیں کیا جا رہا۔ دراصل اس آیت کے ذریعہ ایک مغالطہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ عربی لغت کی رو سے لفظ "ولد" کا اطلاق اس بچہ پر ہوتا ہے جو پیدا ہو چکا ہو، بلکہ اس کے معنی ہی پیدائش کے ہیں۔ عزل کا مفہوم جو فقہاء نے متعین کیا ہے آپ کی نظر سے گزر چکا ہے تاہم اس پر ایک نظر دوبارہ ڈال لینا خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ ائمہ مجتہدین جن کی محبت کا دم بھرتے ہوئے ہم نہیں تھکتے، ان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جب تک حمل میں جان نہ پڑ جائے وہ بچہ شمار ہی نہیں ہوتا۔ یہ صورت چونکہ چار ماہ کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے اس لئے چار ماہ سے پہلے حمل کا گرا دینا ایسا ہی ہے جیسے عزل کے وقت نطفہ کا ضائع کر دینا۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب شامی کا یہ فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

هل يباح الاسقاط بعد الحمل نعم يباح مالم يخلق منه شئى ولا يكون ذلك الا بعد مائه وعشرين يوما[۲۰]

(ترجمہ) کیا حمل ٹھہر جانے کے بعد اس کا گرا دینا مباح ہے؟ ہاں جب تک کہ اس کے کوئی عضو وغیرہ نہ بنے ہوں۔ اور یہ ایک سو بیس دن کے بعد ہی بنتے ہیں۔

واضح شرعی اجازت کے باوجود خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت کرنے والے حضرات کا سب سے بڑا ہتھیار یہی آیت ہے جسے وہ اپنے من مانے معانی پہنا کر اپنی مطلب براری کر رہے ہیں۔ لیکن اگر اس آیت کی وہی تفسیر سامنے رکھی جائے جو ائمہ مجتہدین سے منقول ہے اور ہم نے ابھی ابھی بیان کی ہے تو ان حضرات کی تنکوں کی عمارت دھڑام سے نیچے گر پڑتی ہے۔

مودودی صاحب نے ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت پر کتاب لکھی ہے اور ان میں سے کوئی ایک حوالہ بھی نقل نہیں کیا۔ اب اس صورت میں معاملے کی دو صورتیں ہیں کہ یا تو انہوں نے اس مسئلہ کو بیان کرنے میں دیانتداری سے کام نہیں لیا یا تفسیر لکھتے وقت انہوں نے قدیم اسلامی لٹریچر کا مطالعہ نہیں کیا اور چند اُردو تفاسیر خاص طور پر تفسیر غرائب القرآن کو سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی تفسیر کو مرتب کر لیا۔ قارئین اس بارے میں خود مناسب فیصلہ کر سکتے ہیں۔

CamScanner

اہل مغرب کے اقوال کا سہارا

جیسا کہ سابقہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ مودودی صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی کی شرعی حیثیت بیان کرتے وقت ' قدیم اسلامی لٹریچر سے دلائل دینے کی بجائے یورپ کے کیتھولک پادریوں کے اقوال کا سہارا لیا ہے۔ اسلامی لٹریچر سے خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کے بارے میں حوالہ جات نقل کر کے ہم نے وہ کمی تو سابقہ صفحات میں پوری کر دی ہے۔ اب فاضل مصنّف کی اصل پونجی یعنی اہلِ مغرب کے مخالف اقوال کی حیثیت ملاحظہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنّف نے ان کو جمع کرتے وقت تحقیق سے کام نہیں لیا کیونکہ ان میں سے اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے نقیض ہیں ' ان کا پہلا اعتراض ملاحظہ ہو:-

۱۔ کثرتِ طلاق

اپنی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے طلاق کا رواج کثرت سے پھیل جاتا ہے۔ اس کی تائید میں فاضل مصنّف نے کوئی پانچ صفحات پر مشتمل اقوال نقل کئے ہیں جن کا ایک ابتدائی ٹکڑا ملاحظہ ہو:-

"عورت اور مرد کے درمیان زوجی تعلّق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ جب اولاد نہ ہو گی تو زوجین کے لئے ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں طلاق کا رواج کثرت سے پھیل رہا ہے اور طلاق حاصل کرنے والوں میں بڑی اکثریت ان جوڑوں کی پائی جاتی ہے جو بے اولاد ہیں۔ کچھ عرصہ قبل لندن کی ایک عدالتِ طلاق میں ڈیڑھ منٹ کے اندر ۱۱۵ نکاح فسخ کرائے گئے اور بلا استثناء وہ سب کے سب ایسے جوڑے تھے ' جن کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔"

معلوم نہیں فاضل مصنّف کو دنیا کے کس اہلِ علم یا بے علم نے یہ بتایا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مقصد بے اولاد کرنا ہے۔ اس کا مفہوم تو جیسا کہ اس کی اصطلاح سے ظاہر ہو رہا ہے ' یہ ہے کہ خاندان میں بچوں کی تعداد اس حد تک محدود ہو کہ خوش اسلوبی سے خاندان کے ذرائع کے مطابق ان کی پرورش و تعلیم و تربیت کی جا سکے۔ اور

دوسرے یہ کہ ماں اور بچہ کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے ان کے درمیان مناسب وقفہ ہو۔ الازہر یونیورسٹی کے سابق ریکٹر شیخ محمود شلتوت کی تحقیق کے مطابق اسلامی تعلیمات تین سال کے وقفہ کا تقاضا کرتی ہیں۔ اب جب یہ چھوٹا یونٹ یعنی خاندان خوشحال و صحت مند ہو گا تو بڑا یونٹ یعنی ملک خود بخود خوش حال ہو گا۔ بلکہ اس کے پروگرام میں تو یہ بھی شامل ہے کہ جو جوڑے بے اولاد ہیں ' مناسب علاج معالجہ سے ان کی گودیں شاداب کی جائیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کی اس اصل تشریح کو سامنے رکھا جائے تو فاضل مصنّف کا اعتراض بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۲) طبقات کا عدم توازن

فاضل مصنّف جس دوسرے اعتراض کو سب سے نمایاں کر رہے ہیں ' ان کے الفاظ میں وہ یہ ہے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنے والی سوسائٹی میں جسمانی محنت کرنے والے طبقے بڑھ رہے ہیں اور ان لوگوں کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہے جو عقلی اور ذہنی مرتبے کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتے ہیں ' جن میں کارفرمائی و رہنمائی کی صلاحیت ہے۔ یہ چیز آخرکار ایک قوم کے زوال کی موجب ہوتی ہے ' اس لئے کہ اس کا لازمی نتیجہ قحط الرجال ہے اور قحط الرجال کے بعد کوئی قوم دنیا میں سربلند نہیں رہ سکتی۔ (صفحہ ۲۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف کسی مجبوری کی بناء پر اس غیر اسلامی نقطۂ نظر کا سہارا لے رہے ہیں۔ کیونکہ اسی کتاب میں چند صفحات بعد اس اصول کے خلاف دلائل لا کر خود اس کی دھجیاں بکھیرتے نظر آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ درجہ اول کے انسان تو ہمیشہ غریب والدین یعنی جسمانی محنت کرنے والے طبقوں میں ہی پیدا ہوا کرتے ہیں۔ انہی کی زبانی سنئے۔ صفحہ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں:-

"مگر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسی تعلیم و تربیت کے ساتھ تم صرف تیسرے درجہ کے حیوانات پیدا کر سکتے ہو۔ یا زیادہ سے زیادہ دوسرے درجہ کے۔ درجہ اول کے انسان تمہاری نسلوں میں کبھی نہ اُٹھیں گے۔ یقین نہ آئے تو دنیا کی تاریخ اور اکابر رجال کے سوانح اُٹھا کر دیکھ لو۔ تم کو درجہ اول کے جتنے آدمی ملیں گے ان میں سے کم از کم ۹۰ فیصدی ایسے ہوں گے جو مفلس و نادار ماں باپ کے ہاں پیدا ہوئے۔ مصیبت کی آغوش

میں پرورش پا کر اٹھے ' تمناؤں کے خون اور خواہشات کی قربانی کے ساتھ جوانی بسر کی۔ زندگی کے سمندر میں بغیر کسی ساز و سامان کے پھینک دیئے گئے۔ موجوں سے تیرنا سیکھا' تھپیڑوں سے بڑھنے کا سبق حاصل کیا اور آخرکار ساحلِ کامرانی پر اپنی برتری کا جھنڈا نصب کر کے چھوڑا۔"

مالتھوس سے غلط استدلال

صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ اس کا پہلا محرک غالباً انگلستان کا مشہور ماہر معاشیات مالتھوس (Malthus) تھا جس نے آبادی کی توفیر دیکھ کر یہ حساب لگایا تھا کہ زمین پر قابلِ سکونت جگہ محدود ہے اور اسی طرح معیشت کے وسائل بھی محدود ہیں' لیکن نسل کی افزائش غیر محدود ہے۔ اگر نسل اپنی فطری رفتار کے ساتھ بڑھتی رہے تو زمین اس کے لئے تنگ ہو جائے گی' وسائلِ معاش کفایت نہ کر سکیں گے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنّف نے کہیں سے مالتھوس کے رسالے کے پہلے ایڈیشن کے اقتباسات پڑھے ہیں ' جن کا وہ بڑے فخر سے توڑ پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ مالتھوس نے تو اپنے اسی رسالہ کے دوسرے ہی ایڈیشن میں ان خیالات کو پیش کر دیا تھا جو فاضل مصنّف ان کے ردّ میں پیش کر رہے ہیں۔ پروفیسر تھامپسن نے مسائل آبادی میں مالتھوس کے رسالے کے دوسرے ایڈیشن سے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ' ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں:۔ صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں کہ "امریکہ کے اس وقت کے معاشی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مالتھوس نے یہ کہا تھا کہ انسان' آبادی کے اضافے سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے ذرائع معاش میں اضافہ کر سکتا ہے"۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۳ پر یہ الفاظ ہیں "یہ اضافہ ہوا بھی ہے اور آئندہ بھی ہو سکتا ہے لیکن دنیا کے اکثر ممالک میں عملاً یہ ہو رہا ہے کہ انسان جس رفتار سے اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے ' اتنی کوشش اس نے ذرائع معاش بڑھانے میں صرف نہیں کی"۔ ہمارے فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں بیسیوں جگہ پروفیسر تھامپسن کی کتاب "مسائلِ آبادی" کا حوالہ دیا ہے۔ اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ مالتھوس کے نقطۂ نظر پر عالمانہ بحث فرمانا چاہتے تھے تو کم از کم اس کے صحیح نقطہ نظر کو نقل کر کے بحث فرماتے۔ مالتھوس کا جو نقطۂ نظر ہم نے اس

کے رسالے کے دوسرے ایڈیشن سے نقل کیا ہے' دنیا کے حقیقی واقعات اب بھی اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔

۴۔ بوڑھوں کے تناسب میں اضافہ

فاضل مصنّف کا ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے سے پیدا آور آبادی میں کمی اور بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے جو کسی ملک کی معاشی ترقی کے لئے نقصان دہ ہے۔ صفحہ ۳۱ پر فرماتے ہیں:۔

"معیشت کی صحت مند بنیادوں پر ترقی کے لئے ضروری ہے کہ بوڑھوں اور جوانوں میں ایک خاص تناسب قائم رہے تاکہ تمدن کی گاڑی کھینچنے والے مضبوط ہاتھ کبھی کمزور نہ پڑنے پائیں۔ قدرت نے اس کا پورا پورا بندوبست کیا ہے۔ لیکن ضبطِ ولادت کی وجہ سے قدرت کے کام میں جو مداخلت کی جاتی ہے' اس کی بدولت یہ فطری توازن بگڑ جاتا ہے۔ بوڑھوں کی تعداد تو برابر بڑھتی رہتی ہے لیکن بچوں میں مناسب رفتار سے اضافہ نہیں ہو سکتا اور تناسب برابر ناموافق ہوتا جاتا ہے۔ اس کا آخری نتیجہ کارکنوں کی قلت اور قومی طاقت کا زوال اور معاشی قوت کی کمی ہے۔"

یہاں تو یہ فرمایا ہے کہ بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ معیشت کی صحت مند بنیادوں کے منافی ہے لیکن چند ہی صفحات بعد بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ کو معاشی ترقی کا ایک اہم عنصر قرار دیتے ہیں۔ یعنی جس چیز کو یہاں قدرت کے کام میں مداخلت قرار دیا ہے' اب وہ عین قدرت کے مطابق بن جاتا ہے۔ انہی کے الفاظ میں سنئے صفحہ ۹۶ پر معاشی نقصان کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

"شرح پیدائش کے گھٹنے سے پیدا آور آبادی (Producing Population) کے مقابلے میں خرچ کرنے والی آبادی (Consuming Population) کم ہو جاتی ہے اور اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پیدا آور آبادی میں بے کاری بڑھتی چلی جائے۔ پیدا آور آبادی صرف جوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ برعکس اس کے خرچ کرنے والی آبادی میں بوڑھے' بچے اور معذور لوگ بھی شامل ہوتے ہیں' جن کا پیداوار میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اگر ان کی تعداد گھٹ جائے تو مجموعی طور پر خرچ کرنے والوں میں

بھی کمی واقع ہو گی ۔ مال کے خریدار کم ہو جائیں گے تو اسی نسبت سے مال تیار کرنے والوں کو کم کام ملے گا ۔ فاضل مصنّف کے دلائل ملاحظہ ہوں کہ بوڑھوں کا اضافہ جو صفحہ ۳۱ پر زحمت تھا ' صفحہ ۹۶ پر رحمت بن گیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں صرف مخالف اقوال جمع کرنے سے کام ہے ۔ چاہے وہ ایک دوسرے کی ضد ہی کیوں نہ ہوں ۔

ہم نے یہ تفصیل صرف فاضل مصنّف کی تضاد بیانی کے لئے نقل کی ہے ' ورنہ انہوں نے تھامپسن کی کتاب " مسائلِ آبادی " سے جو اعداد و شمار نقل کئے ہیں ' ان کا کسی طور خاندانی منصوبہ بندی سے ادنیٰ تعلّق بھی نہیں بنتا اور وہ جس نقطہ یعنی پیدا آور آبادی میں کمی کو ان اعداد و شمار سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ' وہ اُلٹا اُن کے مقصد کے خلاف جاتے ہیں کیونکہ ان سے تو پیدا آور آبادی میں اضافہ ثابت ہوتا ہے ۔ لیکن فاضل مصنف نے بڑی ہوشیاری سے ایسے تمام اعداد و شمار اپنے نقشہ سے خارج کر دیئے ہیں ۔ شائد انہوں نے سوچا ہو گا کہ کون اصل کتاب کو دیکھنے کی زحمت گوارا کرے گا ۔ جن اعداد و شمار کو فاضل مصنّف نے ہوشیاری سے خارج کر دیا ہے ' یعنی پیدا آور آبادی کا اہم طبقہ جن کی عمر تیس اور چالیس سال کے درمیان ہوتی ہے ' اس کے اعداد و شمار یوں ہیں :-

	۱۸۸۰ء میں تناسب	۱۹۵۰ء میں تناسب
انگلستان اور ویلز	۱۲ء۷	۱۴ء۷
فرانس	۱۳ء۸	۱۴ء۸
امریکہ	۱۲ء۷	۱۵ء۱

اب دیکھئے کہ جس نقشہ کا سہارا لیا جا رہا ہے ' اسی سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے سے پیدا آور آبادی میں اضافہ ہوا ہے تو ان کے اعتراض کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے ؟

۵۔ زنا کاری میں اضافہ

صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں کہ "ضبطِ ولادت نے جدید دنیا کی اجتماعی زندگی میں گناہ کا جو دروازہ کھولا ہے 'اس سے زنا' جنسی جرائم اور امراضِ خبیثہ کے عفریت دندناتے ہوئے داخل ہو رہے ہیں۔ اس کی تائید میں جو اقوال نقل کئے ہیں 'ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو :-

"انگلستان کا حال یہ ہے کہ ہر سال وہاں ۸۰ ہزار سے زیادہ ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ڈیوسیزان کانفرنس کی رپورٹ کی رُو سے ۱۹۴۶ء میں ہر آٹھ میں سے ایک بچہ ناجائز تھا اور ہر سال تقریباً ایک لاکھ عورتیں دائرہ نکاح سے باہر حاملہ ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر آزوالڈ سوارز لکھتا ہے۔ ہر سال اوسطاً ۸۰ ہزار عورتیں ناجائز اولاد کو جنم دیتی ہیں (یعنی تمام زچگیوں کا ۱/۳)

مغرب میں ناجائز اولاد کے متعلق فاضل مصنف نے جو اعداد و شمار دیئے ہیں 'معلوم نہیں 'ان کا خاندانی منصوبہ بندی سے کیا تعلق ہے۔ کیونکہ اگر یہ بُری عورتیں ضبط ولادت کے طریقوں پر عمل کرتیں تو پھر تمام زچگیوں کا ۱/۳ حصہ کبھی بھی ناجائز اولاد نہ ہوتی۔ ۱/۳ حصہ تو کجا ۱/۱۰۰ حصہ بھی نہ ہوتیں۔ اور چیزیں تو چھوڑیئے اب تو وہاں اسقاطِ حمل کے ایسے بے ضرر طریقے ایجاد ہو چکے ہیں 'جو بچے جننے سے کئی درجہ کم تکلیف دہ اور کم خطرناک ہیں۔ دراصل ناجائز اولاد مغربی معاشرہ میں ویسی برائی نہیں سمجھی جاتی' جیسا کہ ہمارے معاشرہ میں۔ ہمارے ہاں ناجائز حمل کی اول تو پیدائش تک نوبت ہی نہیں آنے دی جاتی یا اسے پیدا ہوتے ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔ اصل میں ہمارے ہاں کی مشرقی قدریں بھی عجیب ہیں۔ ۹۹ فی صدی جنسی جرائم میں پہل مردوں کی طرف سے ہوتی ہے لیکن مجرم ہمیشہ عورتوں ہی کو گردانا جاتا ہے۔ فاضل مصنّف نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ مرد اگر ساری عمر اس قسم کی برائیاں کرتا رہے تو اسے اس جُرم کی پاداش میں کبھی سوسائٹی سے باہر نہیں کیا گیا۔ لیکن اگر کوئی بدنصیب عورت کسی مرد کی حیوانیت کا شکار ہو جائے اور اس میں اس کا رَتّی بھر قصور نہ ہو تو اسے طرح طرح سے ذلیل کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص اسے شادی میں قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

مغرب کے ان اعداد و شمار کا اس اعتراض سے تو خیر کوئی تعلّق ثابت نہیں ہوتا، ہمارے خیال میں اس اعتراض کا مولانا ابو الکلام آزاد نے جو جواب دیا ہے، وہ کافی سے زیادہ ہے۔ برِصغیر میں جب خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کی ابتدا ہوئی تو انہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا (ملاحظہ ہو ماہنامہ الحکیم، لاہور نومبر ۱۹۳۹ صفحہ ۱۲۹) تو ان کے سامنے یہی زنا میں اضافے کے خدشے والا اعتراض کیا گیا۔ اس کا جو جواب مولانا نے دیا تھا وہ انہی کی زبانی سنئے:۔

"اخلاقی نقطۂ نگاہ سے صرف یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر برتھ کنٹرول کے طریقے عام ہو گئے تو غیر شادی شدہ عورتوں کو جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ جاتا رہے گا۔ لیکن یہ اعتراض چنداں وقیع معلوم نہیں ہوتا۔ جو بگڑنے والی ہوتی ہیں، وہ بگڑتی ہی ہیں محض اس اندیشہ کی دیوار پر اخلاقی روک قائم نہیں رہ سکتی" (ایضاً)۔

۶۔ زندگی میں کامیابی کے لئے کثرت اولاد کی شرط

صفحہ ۹۴ پر فرماتے ہیں:۔ پھر تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ خاندان زیادہ کامیاب ہیں جو کثیر الاولاد ہیں۔ کم اولاد رکھنے والے خاندان ان کے مقابلہ میں ناکام پائے گئے ہیں۔"

فاضل مصنّف نے جگہ جگہ اہلِ مغرب کے بڑے بڑے اقوال نقل کئے، معلوم نہیں اس بارے میں وہ ان کی تازہ ترین تحقیق سے کیسے بے خبر ہیں۔ حکومت امریکہ کی طرف سے حال ہی میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے ایک تہائی قوم (One Third of the Nation)۔ اس رپورٹ کا ایک حصہ یوں ہے:۔

امریکہ کی اعلیٰ ملازمتوں (Selected Services) کے لئے جن اُمیدواروں کو ذہنی طور پر نااہل قرار دے دیا گیا تھا، اس میں ستّر فیصدی ایسے اُمیدوار تھے جن کے گھر میں چار یا اس سے زیادہ بچے تھے۔ [۲۱]

اس کے برعکس فاضل مصنّف کا فرمان ہے کہ بغیر کسی وقفہ کے بے تحاشا بچے پیدا کرتے جاؤ۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے!

۷۔ قحط الرّجال

صفحہ ۹۳ پر فرماتے ہیں :۔

"تخلیقِ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو زبردست انتظام کیا ہے 'اس میں انسان کا حصّہ بس اس قدر ہے کہ مرد اپنا نطفہ عورت کے جسم میں پہنچا دے ..... ان جراثیم میں سے ہر ایک جداگانہ موروثی اور شخصی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ انہی میں کُند ذہن اور احمق بھی ہوتے ہیں اور عقلاء اور حکماء بھی۔ ان میں ارسطو اور ابن سینا بھی ہوتے ہیں 'چنگیز اور نپولین بھی۔ شکسپیئر اور حافظ بھی 'میر جعفر اور میر صادق بھی اور اخلاص و وفا کے پتلے بھی ..... بہت ممکن ہے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنے والا انسان اپنی قوم میں ایک بہترین جنرل یا مدبّر یا حکیم کی پیدائش کو روک دینے کا سبب بن جائے" (صفحہ ۹۴)

جب کسی نے یہ کہہ دیا کہ اس کے برعکس احمق اور کُند ذہن بھی تو ہو سکتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ایسا سوچنا صریح حماقت ہے کیونکہ ہمارے پاس اس کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ سنئے :۔ "یہ خیال اس وقت صحیح ہوتا جب انسان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا کہ کون سا بچّہ کن خصوصیات کا حامل ہو گا؟ لائق ہو گا یا نالائق۔ زندہ رہے گا یا مرجائے گا۔ اس کا وجود کار آمد ہو گا یا بے کار؟ جب یہ چیز انسانی نظر سے قطعاً پوشیدہ ہے تو محض رجماً بالغیب کوئی رائے قائم کرنا صریح حماقت ہے" (صفحہ ۱۲۹)

۸۔ لذّت پرستی

فاضل مصنّف کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لذّت حاصل کریں مگر اس لذّت کے ساتھ جو نتائج اور ذمّہ داریاں فطرت نے مقرر کی ہیں 'ان سے بچے رہیں۔ (صفحہ ۲۰) لیکن صفحہ ۸۶ پر یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ اس پر عمل سے پوری لذّت حاصل نہیں ہوتی۔ سنئے اور فاضل مصنّف کی تحقیق کی داد دیجئے۔ فرماتے ہیں :۔

"ہر مانع حمل طریقہ کے نفسیاتی اثرات بھی بڑے پیچیدہ ہیں اور ان کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ذہنی اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں بلکہ جنسی فعل کی اس لذّت کو بھی وہ خاک میں

ملا دیتے ہیں ..... " (صفحہ ۸۶)۔ صفحہ ۸۰ پر اس پر ایک بند کا اور اضافہ کرتے ہیں۔
" البتہ اس بات کا ہمیشہ خطرہ ہے کہ مانع حمل وسائل کے استعمال سے جب مرد کو زوجی تعلق میں اپنی خواہشات کی پوری تسکین حاصل نہ ہو گی تو اس کی عائلی زندگی کی مسرتیں غارت ہو جائیں گی اور وہ دوسرے ذرائع سے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی صحت کو برباد کردیں گے اور ممکن ہے کہ اسے امراضِ خبیثہ میں مبتلا کردے۔"

۹۔ قتلِ اولاد

کسی شخص کو اگر درخت کا ایک بیج ضائع کرنے پر ایک بڑے درخت یا باغ کے تباہ کرنے کے جرم میں پکڑ لیا جائے تو تمام دنیا اس اُلٹی منطق پر ہنسے گی، لیکن فاضل مصنّف اپنی کتاب میں اسی اُلٹی منطق کو اختیار کرتے ہوئے مادۂ تولید کے ضائع کرنے کو اولاد قتل کرنے کے برابر قرار دے رہے ہیں۔ آیت **ولا تقتلوا اولادکم** کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ معاشی مشکلات کے خوف سے اولاد کی تعداد گھٹانا محض ایک حماقت ہے" (صفحہ ۹۹۔ ۱۰۰)

عزل یا ضبطِ ولادت کے دوسرے طریقوں میں مادہ منویہ کو ضائع کیا جاتا ہے اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بیوی سے ایک مباشرت میں ایسے کروڑوں جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اب اگر اس مادہ منویہ کو ضائع کرنا اولاد کا قتل کرنا ہے تو پھر حمل ٹھہر جانے کے بعد ہر شخص کے لئے بیوی سے مباشرت جائز نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ اس طرح وہ اربوں " اولادوں " کا قاتل تصوّر ہو گا۔ حالانکہ بات بڑی سیدھی سی ہے۔ عربی زبان میں اولاد کا اطلاق ہی اس بچّہ پر ہوتا ہے جو پیدا ہو چکا ہو۔ ہمارے علماء تو چار ماہ تک کے حمل کو بھی مادہ منویہ ہی میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ اصول کی کتابوں میں عزل کی تعریف یوں کی گئی ہے:۔

حکم العزل ھذا یجری علی استعمال دواء لمنع الحمل موقتا و یجری علی اسقاط النطفتہ قبل نفخ الروح فیھا فان الحکمتہ فی الکل واحدہ وھی منع لحمل واللہ اعلم۔[۲۲]

(عزل کے حکم میں حمل روکنے کی دوا اور نفخِ روح سے پہلے حمل کا گرا دینا بھی شامل ہے

کیونکہ ان تمام میں ایک ہی حکمت ہے اور یہ حمل کا روکنا ہے۔ واللہ اعلم)۔

۱۰۔ خاندانی منصوبہ بندی اور دفاع

فاضل مصنّف کا آخری اہم اعتراض یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ملک کا دفاع کمزور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تائید میں اور دلائل کے علاوہ ایک بہت ہی اہم اعتراض یہ نقل کیا ہے کہ جنگِ عظیم ثانی میں فرانس کی شکست کا سبب اس کے جرنیل مارشل پیتّان کی زبانی یہ ہے کہ فرانس کی شکست کا ایک بنیادی سبب قلّتِ اطفال - - - - - - (Too Few Children) تھا۔ (صفحہ ۸، ۱۷۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنّف کو فرانس کی شکست کے اسباب کا مطالعہ کرنے کا موقع تو نہیں مل سکا، کہیں سے جلدی میں مارشل پیتّان کا مذکورہ بالا قول نقل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرانس نے اس جنگ میں جس بزدلی کا ثبوت دیا تھا، اس کا اندازہ تھامسن کرنان کی "فرانس پر رپورٹ" (A Report On France) کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "یہ اس قدر لرزا دینے والی داستان ہے کہ فرانسیسی عساکر کو کیسے ہی آلاتِ حرب سے مسلّح کیوں نہ کر دیا جاتا کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا، کیونکہ وہ تو لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے اور نہ لڑنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کی حالت بلّی کے سامنے چوہے کی تھی"۔ اس کے ساتھ ہی ۵ ر ستمبر ۱۹۳۹ء کے "Action" کے شمارے کے ان الفاظ کو دیکھئے "فرانس کیا کرے گا؟ میں پیغمبر تو نہیں ہوں کہ پیشین گوئی کروں۔ لیکن اندازہ لگا سکتا ہوں کہ وہ مینگنیاٹ لائن میں بیٹھیں گے۔" (Lavie Pariseinne) کے تراشے کاٹیں گے۔ خندقوں میں بے مصرف لڑکیوں کو بلائیں گے اور پھر گھر جانا چاہیں گے۔ (۲۳)

مارشل پیتّان کا، جس کے قلّتِ اطفال والے قول کا بڑا سہارا لیا جاتا ہے، اپنا کردار ملاحظہ ہو کہ ۱۴ ر جون کو جرمن فوجیں پیرس میں داخل ہوتی ہیں اور ۱۷ ر جون کو مارشل پیتّان ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کرتے ہیں۔ کیا تین ہی دن میں فرانس کی ساری فوج ختم ہو چکی تھی۔ حالانکہ بعض مبصّروں کا خیال تھا کہ پیتّان کو اس وقت ہتھیار ڈالنے کی بجائے الجزائر میں جا کر علم بلند رکھنا چاہئے تھا۔

فاضل مصنف کی کتاب کے ساتھ ایک ضمیمہ ہے جس کے صفحہ ۱۷۶ پر دفاع کے سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے :-

"خاص دفاعی نقطہ سے پاکستان کی حیثیت بتیس دانتوں کے درمیان ایک زبان کی سی ہے ۔ ہمارے ملک کے ایک طرف ہندوستان ہے ' جس کی آبادی ہم سے پانچ گنی زیادہ ہے اور جس سے ہمارے تعلقات مختلف وجوہ کی بنا پر بڑی نازک حالت میں ہیں ۔ دوسری طرف روس ہے جو عالمی اشتراکیت کے فروغ کے لئے اپنی سیاسی اور فوجی قوت برابر استعمال کر رہا ہے ۔ نیز جس کی آبادی ہم سے تین گنی زیادہ ہے ۔ تیسری طرف چین ہے ' جو ایشیا میں برابر اپنے دائرے کو وسیع کر رہا ہے اور جس کی آبادی ہم سے آٹھ گنا زیادہ ہے ۔ ان تینوں کی نگاہیں ہمارے اُوپر لگی ہوئی ہیں اور جس نظر سے یہ ہمیں دیکھ رہے ہیں ' اسے اچھی نظر نہیں کہا جا سکتا ۔"

علم سیاست سے تھوڑی بہت دلچسپی رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ آج کل بین الاقوامی سیاست کا دارومدار ہر ملک کے قومی تقاضوں پر ہوتا ہے ۔ اس کی بنیاد نہ مستقل دوستی پر ہے اور نہ مستقل دشمنی پر ۔ قومی مفاد کا تقاضا ہو تو دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور دوستی دشمنی میں ۔ ملک کے دفاع کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تک پہنچانے میں کسی کو انکار نہیں ۔ آج کی دنیا میں اس کے لئے صلاحیتِ کار میں اضافہ کی ضرورت ہے نہ کہ صرف آبادی میں ۔ اور اگر ہم جس طرح بھی اپنی آبادی بڑھانا چاہیں ' مذکورہ بالا تینوں ممالک کی آبادی کی کسی طور برابری حاصل نہیں کر سکتے ۔ ویسے جس آٹھ گنا آبادی والے ملک کا موہوم خطرہ انہیں چین نہیں لینے دیتا ' نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ ہماری قومی زندگی کے مشکل ترین وقت میں وہ ہمارا بہترین دوست ثابت ہوا ۔ اور تین گنا آبادی والے ملک سے تعلقات کی نوعیت دن بدن دوستانہ ہوتی جا رہی ہے ۔

اس سلسلے میں اسرائیلی خطرے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے (صفحہ ۱۷۶) ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صرف اسی مثال کو ذرا گہری نظر سے دیکھ لیا جائے تو اس عنوان پر ان کے دلائل کا انبار بے کار سا نظر آتا ہے ۔ کیونکہ اس مثال سے تو صلاحیتِ کار کی فوقیت ظاہر ہوتی ہے نہ کہ محض تعداد کی ۔ امریکہ میں یہود کی تعداد ۲ فیصد سے بھی کم ہے لیکن وہ

اپنی اعلیٰ صلاحیتِ کار کی وجہ سے اس کی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس اکثر ممالک میں مسلمانوں کی آبادی پندرہ اور بیس فی صد سے بھی زیادہ ہے لیکن ان کا ان ملکوں کی سیاست پر اثر انداز ہونا تو کجا وہاں باعزت زندگی تک گزارنا مشکل ہے۔ اقلیت والے ممالک کا تو ذکر کیا، افریقہ کے بہت سے نو آزاد ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن وہاں عیسائی جن کا تناسب بعض صورتوں میں پانچ فی صد بھی نہیں، اپنی صلاحیتِ کار کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں۔ خود عربوں کے مقابلے میں اسرائیل کی آبادی دو فی صد سے کم ہے، لیکن یہ پچاس گنا کمی اس کے دفاع پر اثر انداز نہیں ہو سکی۔

کتاب کے آخر میں اس مسئلہ کا حل یہ بتایا گیا ہے:۔

"ہماری نگاہ میں مسئلہ کا اصل حل پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو ترقی دینے میں ہے" (صفحہ ۱۹۸)

پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو ترقی دینے کے بارے میں پاکستان میں جو کوششیں ہو رہی ہیں، عالمی ماہرین تک کا یہ تأثر ہے کہ اس سلسلے میں پاکستان اپنے جیسے دوسرے ممالک پر بازی لے گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود خوراک کی ایک کثیر مقدار باہر سے درآمد کی جا رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں امریکہ کے عالمی ادارے کی طرف سے تین جلدوں (۲۳۱۴ صفحات) پر مشتمل ایک اہم کتاب شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے:۔

Asian Drama – An Inquiry Into The Poverty of Nations.

اس کتاب میں ہندوستان، پاکستان اور انڈونیشیا کے معاشی حالات کا تجزیہ کر کے یہ رائے دی گئی ہے:۔ "ان ممالک کو بڑے بڑے کام خود سرانجام دینے چاہئیں۔ ان بڑے بڑے کاموں میں سے ایک اہم کام زراعت کی ترقی ہے، جس کے لئے دوسرے اقدامات کے علاوہ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہر مالکِ زمین، اپنی زمین میں خود کاشت کرے یا زراعت کو پیشہ بنا کر ذاتی طور پر اس کا انتظام کرے، جس کے لئے بٹائی کا سسٹم ختم کرنا پڑے گا۔" ۲۲۴

آج کے ماہرینِ معاشیات زراعت کی ترقی کے لئے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، شریعتِ اسلامیہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے عین یہی تعلیم دی تھی۔ ایک دو فرمودات نبوی ملاحظہ ہوں:۔ طوالت سے بچنے کے لئے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں روایتیں

سنن ابی داؤد کی کتاب البیوع جلد دوم سے لی گئی ہیں ۔ اور صاحب سنن کی تحقیق کے مطابق صحیح ہیں ۔ (۱) حضرت جابر بن عبداللہ (انصاری) کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو بٹائی کا کام ترک نہیں کرتا ' وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائے ۔ (۲) ابن ابی نعیم ' حضرت رافع بن خدیج انصاری کا بیان کردہ واقعہ یوں دہراتے ہیں کہ رافع نے ایک زمین پر کاشت کی ۔ وہ اس کی آبیاری کر رہے تھے کہ حضورؐ کا ادھر سے گزر ہوا ۔ پوچھا کہ یہ کھیتی کس کی ہے اور یہ زمین کس کی ہے ؟ رافع نے کہا میری یہ کھیتی میرے بیج اور میری ہی محنت کا نتیجہ ہے ۔ اس کا ایک حصہ میرا ہو گا اور ایک حصہ فلاں خاندان کا (جس کی یہ زمین ہے) ۔ حضورؐ نے فرمایا ۔ تم دونوں سُودی کاروبار کر رہے ہو ۔ لہٰذا زمین تو صاحبِ زمین کو واپس کر دو اور اپنا خرچہ واپس لے لو ۔

انہی احادیث کی روشنی میں حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہؒ نے بٹائی کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ۔ اب ماہرین بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ زراعت کی ترقی کے لئے اس بٹائی نظام کا خاتمہ ضروری ہے ۔ لیکن قارئین حیران ہوں گے کہ زیرِ تبصرہ کتاب کے فاضل مصنّف نے اس بٹائی کے نظام کے جواز کے لئے ایک مستقل تصنیف "مسئلہ ملکیت زمین" تصنیف فرمائی ہے ۔

کتاب کے فاضل مصنّف کے فرمودات کے مطابق اب مسئلہ کی اسلامی صورت کچھ اس طرح بنتی ہے ۔

(۱) قوم کا فریضہ ہے کہ وہ بغیر کسی مناسب وقفہ کے دھڑا دھڑ بچے پیدا کرے ۔ (۲) حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام بچوں کی روٹی کا انتظام کرے (۳) اگر حکومت ان تمام کی روٹی کا انتظام نہیں کر سکتی تو شور مچا دیا جاتا ہے کہ حکومت نااہل ہے ۔ (۴) اگر وہ ان بے تحاشا پیدا کردہ بچوں کے لئے باہر سے غلّہ منگواتی ہے تو شور مچا دیا جاتا ہے کہ ملک بیچ دیا گیا ہے اور ہمیں غیروں کا غلام بنا دیا گیا ہے ۔ (۵) اگر ماہرینِ معاشیات زراعت کی ترقی کے لئے بٹائی کے نظام کو ختم کرنا ضروری قرار دیتے ہیں تو اس کے خلاف کتابیں لکھی جاتی ہیں ۔

بھلا آپ سوچئے کہ اس طرح دنیا کی کوئی حکومت بھی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ یہی وہ مشکلات تھیں جن کے پیشِ نظر صدر مملکت (فیلڈ مارشل محمد ایوب خان) نے ۱۹۶۶ء میں لاہور میں بنیادی جمہوریت کی کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا تھا:۔

"جو لوگ خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت کرتے ہیں' وہ درحقیقت ایسی جونکیں ہیں جو جسدِ ملّت کا خون چوس رہی ہیں۔ یہ مفت خورے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس شخص نے محنت و مشقت سے اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہو' وہ کبھی نہیں کہے گا کہ خاندانی منصوبہ بندی مفید نہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ باہر نکلیں' کام کریں اور لوگوں کی معاشی حالت کا جائزہ لیں۔ پھر انہیں معلوم ہو گا کہ بے تحاشا بڑھتی ہوئی آبادی کا پیٹ کس طرح سے بھرا جا سکتا ہے۔"

جماعتِ اسلامی کے امیر سے جو وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں' ہمیں یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس انسانی مسئلہ کے بارے میں اس قسم کا منفی رویہ اختیار کرتے جبکہ شریعتِ اسلامی اس کی پوری پوری اجازت دیتی ہے۔ لیکن مودودی صاحب خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کے علمبرداروں کو شیطان کے بھائی قرار دیتے ہیں' اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کے اس طنز کے تیر کن پاکیزہ ہستیوں کے دلوں کو زخمی کریں گے۔

حواشی باب ششم

(۱) مختصر الفتاوی المصریہ صفحہ ۴۳۱ مطبعہ السنتہ المحمدیہ مصر سنہ ۱۹۳۹ء
(۲) عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ- مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ ۴۲
(۳) احکام القرآن- ابوبکر جصاص الحنفی مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۱۶-۲۱۷
(۴) تفسیر طبری جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ مطبعہ الکبری الامیریہ سنہ ۱۳۲۴ھ
(۵) تفسیر نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۳۴۷
(۶) تفسیر کبیر دار الطباعۃ العامرۃ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۵۲
(۷) کتاب التاج الجامع للاصول جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ مطبع عیسیٰ البابی مصر
(۸) ضبط ولادت عقلی اور شرعی حیثیت سے- مطبوعہ دار الاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی صفحہ ۳۱
(۹) نیل الاوطار- علامہ شوکانی جلد ششم مطبوعہ مصر ۱۹۶۱ صفحہ ۲۱۰
(۱۰) روح المعانی علامہ الوسی الجزء الرابع صفحہ ۱۷۶ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر-
(۱۱) ایضاً
(۱۲) ایضاً
(۱۳) ایضاً
(۱۴) تفسیر کبیر- فخر الدین رازی دار الطباعۃ العامرۃ جلد ۳ صفحہ ۲۰۵
(۱۵) ایضاً
(۱۶) تفسیر مظہری جز سورۃ النساء صفحہ ۱۰ محمد ثنا اللہ الحنفی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی
(۱۷) فتح الباری لابن حجر عسقلانی مطبعہ الکبری المیریہ سنہ ۱۳۰۱ھ المجلد التاسع صفحہ ۲۶۷
(۱۸) نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی سنہ ۱۹۶۱ء
(۱۹) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۷
(۲۰) شامی- علامہ ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ مطلب فی اسقاط الحمل
(۲۱) Jounal of Marriage and Family November 1964'P 473
(۲۲) کتاب التاج الجامع للاصول جلد ۲ صفحہ ۳۴۵- مطبوعہ مصر-
(۲۳) تحدید نسل اور دفاع- محمد شریف ایم اے- صفحہ ۲۶
(۲۴) پاکستان ٹائمز مورخہ ۶۷-۳-۱۹ صفحہ ۷

ساتواں باب

تفہیم القرآن جلدِ دوم پر ایک نظر

داعیٔ حق کی صفات

اس تبصرے کی ابتداء ہم ایسے عنوان سے کر رہے ہیں کہ جس کا دعویٰ مودودی صاحب خود اپنے لئے بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ ایک داعیٔ حق کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ایک داعیٔ حق میں کونسی صفات ہونی چاہئیں' اس کے متعلق وہ اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد دوم (طبع دوم) کے صفحہ ۱۱۱ پر فرماتے ہیں:۔

"داعیٔ حق کے لئے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خُو' متحمل' اور عالی ظرف ہونا چاہئے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لئے شفیق' عامتہ النّاس کے لئے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لئے حلیم ہونا چاہئے۔ اس کو اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہئے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہئے۔ مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی' بہتان تراشی' ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو' اس کو درگذری سے کام لینا چاہئے۔"

جماعتِ اسلامی والے ہمیشہ یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ مودودی صاحب میں یہ صفات بدرجہ اُتّم پائی جاتی ہیں۔ لیکن قارئین اسی تفسیر کی جلد اوّل کے تبصرے میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بہتان تراشی' ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت تو کجا' اپنے سے ہلکا سا علمی اختلاف رکھنے والوں کو وہ تفسیر جیسی سنجیدہ کتاب میں بار بار "شیطان کے شاگرد" کے لقب سے نوازتے ہیں۔ ہم نے اسے ہلکا سا علمی اختلاف اس لئے کہا ہے کہ (مثلاً) عورتوں کو مردانہ عہدے دلانے وغیرہ پر دوسروں کو مطعون کرتے رہے' لیکن بعد میں جب اپنے آپ کو ضرورت پیش آئی تو اس کا شرعی جواز ڈھونڈ نکالا۔ مخالفوں کو "شیطان

کے شاگرد " قرار دینے میں جو کسر باقی رہ گئی تھی ' اس کی تلافی وہ اس جلد میں اس وقت کے تمام پاکستانی حکمرانوں کو " جھوٹے ' بے ایمان اور بے حیاء " کی گالی دے کر کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ حرام

کشمیر میں جہاد کو حرام قرار دینے پر مودودی صاحب کے خلاف مخالفت کا جو طوفان اُٹھا تھا وہ ابھی تھما نہیں تھا کہ ان کے خلاف اخباروں میں ایک اور بحث چلی نکلی کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب راقم کو مودودی صاحب سے کچھ عقیدت تھی۔ اس لئے ان کے تمام عقیدت مندوں کی طرح اس بحث کو مخالفین کا ایک افتراء سمجھا اور اس کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا۔ لیکن اب جو ان کی تفسیر کا غور سے مطالعہ کیا تو ان کا یہ فتویٰ اس میں بھی سامنے آگیا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

" پس یہ آیت دستوری و سیاسی ولایت کو ریاست کے ارضی حدود تک محدود کر دیتی ہے اور ان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص رشتہ سے خارج قرار دیتی ہے۔ اس عدم و ولایت کے قانونی نتائج بہت وسیع ہیں جن کی تفصیلات بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مثال کے طور پر صرف اتنا اشارہ کافی ہو گا کہ اس عدم ولایت کی بنا پر دارا لکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں بن سکتے ' باہم شادی بیاہ نہیں کر سکتے اور اسلامی حکومت کسی ایسے مسلمان کو اپنے ہاں ذمّہ داری کا منصب نہیں دے سکتی جس نے دارا لکفر سے شہریت کا تعلّق نہ توڑا ہو۔

علاوہ بریں یہ آیت اسلامی حکومت کی خارجی سیاست پر بھی بڑا اثر ڈالتی ہے۔ اس کی رُو سے دولتِ اسلامیہ کی ذمّہ داری ان مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہر کے مسلمانوں کے لئے کسی ذمّہ داری کا بار اس کے سر نہیں ہے "

(صفحہ ۱۶۱)

اس طرح کروڑوں مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے لئے وہ ایک

ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جس کا اس مسئلہ سے دور کا بھی تعلّق نہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں **انا بری من کل مسلم بین ظھر المشرکین** (میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمّہ دار نہیں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو)۔

ایک معمولی فہم کا آدمی بھی اس حقیقت کو با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں مشرکینِ عرب مراد ہیں۔ حضورؐ نے ان کے درمیان رہنے والے مسلمانوں کو دارالاسلام کی طرف ہجرت کا حکم دیا تھا۔ اور جن مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی ان کے متعلق آپؐ نے یہ فرمایا۔ مزید یہ کہ خود آیتِ زیرِ بحث کے الفاظ بھی یہی ہیں **والذین امنوا ولم یھاجروا** یعنی وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی۔ ہندوستان اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے بیس پچیس کروڑ مسلمانوں کے خلاف مودودی صاحب کا یہ استدلال اس وقت صحیح سمجھا جا سکتا تھا جب ان تمام مسلمانوں کو دارالاسلام کے مسلمان اپنے ہاں ہجرت کی دعوت دیتے اور وہ ہجرت کرنے سے انکار کر دیتے۔ اس کے برعکس حقیقت حال یہ ہے کہ دیگر مسلم مملکتیں تو ایک طرف خود مودودی صاحب کی تصریح کے مطابق دُنیا کی واحد اسلامی حکومت یعنی سعودی عرب اتنے مسلمانوں کو بھی اپنے ہاں ہجرت کی اجازت نہیں دیتی جتنی امریکہ جیسی غیر مسلم حکومت ہر سال دے رہی ہے۔ اس کے بعد غور فرمایئے کہ وہ کونسی شرعی دلیل ہے جس کی بنا پر ان سے شادی بیاہ حرام اور اُنہیں غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑا جا رہا ہے۔

جہادِ کشمیر کی حرمت کے غلط فتویٰ کی قرآنی تائید

قارئین سوچتے ہوں گے کہ ایسی کونسی ہنگامی صورتِ حالات پیدا ہو گئی تھی کہ مودودی صاحب ایک غیر متعلّق سے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں کہ ہندوستان اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے کروڑوں مسلمانوں سے شادی بیاہ حرام اور اُنہیں کُلّی طور پر غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ رہے ہیں۔ اس کا تعلّق دراصل اُن کے جھوٹے جذبۂ انانیت سے ہے۔ صورت یوں ہوئی کہ جب قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان نے زبردستی کشمیر کو بھارت میں شامل کر لیا تو اہلِ کشمیر نے ہندوستان کے خلاف

مسلح بغاوت کر دی ۔ اہلِ پاکستان بھی اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے پہنچے ۔ مودودی صاحب نے فرمایا کہ حکومتِ ہندوستان سے ہمارے معاہدانہ تعلقات ہیں ' اس لئے کشمیر کا موجودہ جہاد اسلامی شرائط پر پورا نہیں اُترتا ' لہٰذا جائز نہیں ۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو دلیل دی تھی وہ ان کی تفسیر کی اس بحث میں بھی موجود ہے ' جس کا ایک اقتباس ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اور جس کے آخر میں وہ فرماتے ہیں :۔

" اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدانہ تعلّقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہیں کی جا سکے گی جو ان تعلّقات کی اخلاقی ذمّہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو ۔ " (صفحہ ۱۶۲)

علماء نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سرکردگی میں مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کو آڑے ہاتھوں لیا اور جوابی فتاویٰ شائع کئے ۔ اس غلط فتویٰ نے جماعت اسلامی کی ساکھ کو کس حد تک مجروح کیا تھا اس کا اندازہ لگانے کے لئے اتنا دیکھ لینا کافی ہو گا کہ جماعت اسلامی ابھی تک تاویلات کے چکر میں پڑی ہوئی ہے اور ان کانٹوں سے خلاصی نہیں پا سکی کیونکہ اس کی جو تاویل بھی کی گئی اس میں سے اصل حقیقت نے کسی نہ کسی صورت میں اپنا سر نکال لیا ۔ اختصار کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم جماعت اسلامی ہی کی ایک دو تاویلات نقل کرتے ہیں جن سے حقیقتِ حال خود بخود واضح ہو جائے گی ۔

جہادِ کشمیر کے فتویٰ کے بارے میں وضاحت

اس فتویٰ کی وجہ سے جب جماعتِ اسلامی والوں کے لئے سانس لینا مشکل ہو گیا تو جماعت کی مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا جس میں اس فتوٰے کے بارے میں یہ وضاحت پیش کی گئی :۔

" یہ کوئی فتویٰ نہیں تھا بلکہ امیر جماعتِ اسلامی کی فقہی رائے تھی ۔ "

(ترجمان القرآن ۔ بابت ستمبر ۱۹۴۸ء ۔ صفحہ ۳۲۸)

کیسی ابلہ فریب تاویل ہے کہ فتویٰ نہیں فقہی رائے تھی ۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی امتیازی فرق ہے تو جماعتِ اسلامی کو اسے بھی واضح کر دینا چاہئے تھا ۔ بہرحال یہ فتویٰ تھا یا فقہی رائے جماعت اسلامی نے اس وضاحت کی آڑ لیتے ہوئے جس جہادِ کشمیر کو

سے ایک شرط اُڑائے دیتے ہیں تو پھر انہیں ہم کیسے چھوڑ دیں"۔ (صفحہ ۱۷۷)

حضرت ابوبکرؓ پر افتراء

یہ آیت جیسا کہ اس کے واضح الفاظ ہیں ' مشرکینِ مکّہ کے بارے میں ہے لیکن مودودی صاحب کھینچ تان کر اس سے مرتد کا قتل کرنا ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فتنہ ارتداد میں اس آیت سے استدلال فرمایا تھا' ہمارے لئے باعثِ حیرت تھا ۔ کیونکہ مُرتدین کے بارے میں قرآنِ مجید میں ایک جگہ نہیں بلکہ پورے چھ مقامات پر واضح احکام موجود ہیں ۔ طبیعت نہیں مانتی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ جنہوں نے رسول ؐ اللہ سے براہِ راست تربیت حاصل کی تھی ایک غیر متعلّقہ آیت سے استدلال فرمائیں ۔ اب مصیبت یہ تھی کہ مودودی صاحب نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا ۔ چنانچہ ہم نے اس حوالہ کی تلاش کے لئے اپنی سی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پھر معاً اس موضوع پر مودودی صاحب کی مستقل کتاب "مُرتد کی سزا" پر نظر پڑ گئی کہ اتنا اہم حوالہ اس میں ضرور دیا گیا ہو گا ۔ لیکن جب ہم نے اس کی ورق گردانی کی تو عجیب حقیقت سامنے آئی کہ حضرت ابوبکرؓ کا اس آیت سے استدلال کرنا تو کجا خود مودودی صاحب کو اپنے غلط مسلک کی تائید کے لئے سارے قرآنِ مجید سے کوئی یقینی حوالہ نہیں مل سکا ۔ اسے وہ اپنی جرنلزم کی زبان میں یوں گول مول کرنے کی کوشش کرتے ہیں :۔

"بعض لوگ حدیث اور فقہ کی باتیں سُن کر یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں یہ سزا کہاں لکھی ہے ۔ ایسے لوگوں کی تسلّی کے لئے اگرچہ ہم نے اس بحث کے ابتداء میں قرآن کا حکم بھی بیان کر دیا ہے ۔ لیکن اگر بالفرض یہ حکم قرآن میں نہ بھی ہوتا تو حدیث کی کثیر التّعداد روایات ' خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کی نظیریں اور فقہاء کی متفقہ رائیں اس حکم کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں ۔ ثبوتِ حکم کے لئے ان چیزوں کو ناکافی سمجھ کر جو لوگ اس کا حوالہ قرآن سے مانگتے ہیں ' ان سے ہمارا یہ سوال ہے کہ تمہاری رائے میں کیا اسلام کا پورا قانونِ تعزیرات وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے"۔ (مرتد کی سزا صفحہ ۳۰)

احادیث میں جس مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے ' وہ وہ شخص ہے جو مرتد ہونے کے بعد

مسلمانوں سے جنگ کرے **رجل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ عز و جل و رسولہٗ**۔ حضرت ابوبکرؓ نے جن مُرتدین کے خلاف چڑھائی کی تھی ان کا جُرم یہی نہیں تھا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا' حضورؐ کی وفات کی خبر سنتے ہی ان لوگوں نے اپنے ہاں کے مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ **فوثب بنو ذبیان و عبس علی من فیھم من المسلمین و فعل ذلک غیرھم من المرتدین** (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

(ترجمہ) رسولؐ اللہ کی وفات کی خبر سنتے ہی قبیلہ بنو ذبیان اور عبس نے اپنے اپنے قبیلوں کے بقیہ مسلمانوں پر (جنہوں نے ان کے ساتھ مُرتد ہونے سے انکار کر دیا تھا) پل پڑے اور اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دوسرے مُرتدین نے بھی اپنے اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔"

یعنی اسلام سے پھر جانے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے قتل کرنے کی وجہ سے وہ حارب اللہ و رسولہٗ کے بھی مرتکب ہو گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اسلامی لشکر کی تیاری سے پہلے مدینہ منورہ پر رات کے وقت چڑھائی بھی کر دی۔ **فمالبثوا الا ثلاثا حتی طرقوا المدینۃ غارۃ مع اللیل**۔ (تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۵) "پس تین ہی دن گذرے تھے کہ اُنہوں نے رات کے وقت مدینہ منوّرہ پر چڑھائی کر دی۔"

یہ تھا ان لوگوں کا وہ جرم جس کی بنا پر صدیق اکبرؓ نے ان کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ لیکن مودودی صاحب ہر مذہب بدلنے والے مسلمان کو قتل کرنے کے لئے احادیث میں حارب اللہ و رسولہٗ کے الفاظ پر پردہ ڈال رہے ہیں۔

قتلِ مُرتد کیلئے قرآنِ مجید سے انوکھا استدلال

مودودی صاحب مذہب تبدیل کرنے والے مُرتد کو قتل کرنے کے لئے درجہ بدرجہ آگے بڑھتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین سے متعلّق آیت سے حضرت ابوبکرؓ کی زبانی اپنے غلط مسلک کی تائید حاصل کرنی چاہی اور پھر اپنی تفسیر کے اگلے ہی صفحہ پر ایک دوسری آیت سے قسمت آزمائی کرتے ہیں۔ **وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم** کی دُور از کار تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس آیت کے الفاظ سے بظاہر تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے عہد توڑ دیں تو

ان سے لڑو' لیکن نظمِ کلام پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عہد سے مُراد اسلام اور اطاعتِ امر کا عہد ہے۔ کیونکہ معاہدات کو تو پہلے ہی ساقط کیا جا چکا تھا اور اب آئندہ ان سے کوئی معاہدہ کرنا سرے سے پیشِ نظر نہیں تھا۔ لہٰذا یہاں خلاف ورزیٔ معاہدہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ آیت اُوپر والی آیت کے معاً بعد آئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ توبہ کریں اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی قبول کر لیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ اگر وہ اپنی قسمیں توڑ دیں' صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ اس سے مُراد ان کا اسلام قبول کرنے اور اسلامی نظامِ جماعت کی پابندی کا عہد کرنے کے بعد پھر اسے توڑ دینا ہے۔ دراصل اس آیت میں اس فتنہ اِرتداد کی طرف اشارہ ہے جو ڈیڑھ سال بعد خلافتِ صدیقی کی ابتداء میں برپا ہوا"۔ (صفحہ ۱۷۹۔۱۸۰)

اب بھی اگر قوم مودودی صاحب کی فہمِ قرآن کی داد نہ دے تو اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا؟ یعنی جو اشارہ خود رسول اللہ اور صحابہ کرامؓ اور تمام مفسّرین' قرآنِ مجید میں نہ پا سکے' اسے چودہ سو سال بعد جناب مودودی صاحب نے پا لیا۔ صحابہ کرامؓ اور جملہ مفسّرین نے اس آیت سے بالاتفاق کُفّار کی عہد شکنی مُراد لی ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں۔

کل المفسرین حملہ علی نقض العھد قال ابن عباس و السدی و الکلبی نزلت فی کفار مکۃ نکثوا ایمانھم بعد عھد الحدیبۃ و اعانو ابنی بکر علی خزاعۃ و ھذہ الایۃ تدل علی ان قتال الناکثین اولی من قتال غیر ھم من الکفار لیکون ذالک زجرا لغیر ھم (تفسیر کبیر۔ جلد ۴ صفحہ ۴۰۲)

(ترجمہ) تمام مفسّرین نے اس سے نقضِ عہد مُراد لیا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ' امام سدیؒ اور امام کلبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان کُفّارِ مکّہ کے متعلّق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حدیبیہ کے عہد کو توڑ ڈالا اور قبیلہ خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کی۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عام کُفّار کی نسبت عہد توڑنے والے کُفّار سے جنگ کرنا زیادہ ضروری ہے کہ یہ دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔

خود مودودی صاحب نے اس کا ترجمہ انہی مفسّرین کی تفسیر کے مطابق کیا ہے' یعنی

یہ کہ :-

"اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں" جس طرح مودودی صاحب احادیث میں "حارب اللہ و رسولہٗ" کے الفاظ پر پردہ ڈال جاتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی "تمہارے دین پر حملے کرنے" کے الفاظ کو نظرانداز کر کے کُفّارِ مکّہ کے بارے میں واضح آیت کو، دین بدلنے والوں کو قتل کرنے کی طرف موڑ کر لے جاتے ہیں۔

عہدِ رسالتمآبؐ میں اِرتداد

مودودی صاحب اگر احادیث کا بالاستعاب مطالعہ کرتے تو وہ بہت سی پریشانیوں اور اُلجھنوں سے بچ جاتے۔ لیکن وہ صرف انڈکس دیکھ کر اپنے مطلب کی حدیث لے لیتے ہیں اور بس۔ اور ان کا یہی طرزِ عمل ان کے لئے مصیبت کا باعث بن جاتا ہے اور پھر وہ اپنے غلط سلط مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کی کھینچ تان شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً اسی مسئلہ کے بارے میں اگر وہ تمام احادیث کا بغور مطالعہ فرماتے تو ان پر نصف النّہار کی طرح واضح ہو جاتا کہ واجب القتل صرف وہی مُرتد ہیں جو اِرتداد کے ساتھ حارب اللہ و رسولہٗ کے بھی مرتکب ہوں نہ کہ مجرّد مُرتد۔ خود حضورؐ کے سامنے بعض لوگ مُرتد ہوئے لیکن آپؐ نے انہیں قتل نہ کیا۔ اس بارے میں صحیح بخاری میں کتاب الاحکام باب "من بایع ثم استقال البیعہ۔" میں حضرت جابر بن عبداللہ کی وہ روایت کہ جس کے مطابق ایک شخص حضورؐ کے سامنے مُرتد ہوا لیکن آپ نے اسے قتل نہ کیا اور وہ مدینہ منوّرہ سے نکل گیا، دیکھ لینی کافی ہو گی۔

جماعتِ اسلامی کیلئے زکوٰۃ لینے کا جواز

اسلام میں زکوٰۃ کا مسئلہ بڑا صاف ہے۔ یعنی یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ امیروں سے "زکوٰۃ" وصول کر کے غریبوں کی بہبود پر خرچ کرے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اسلامی حکومت دورِ رسالت یا خلافتِ راشدہ کے مطابق ہو۔ خلافتِ

CamScanner

راشدہ کے بعد جب مسلمان حکمران عیش پرست ہو گئے تھے تو پھر بھی صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام نے یہ ہی فتویٰ دیا کہ زکوٰۃ جب تک حکومت کو ادا نہ کی جائے گی' ادا نہ ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فتویٰ دیا تھا کہ **ادفعو ھاالیھم وان شر بو الخمور۔** (نیل الاوطار۔ جلد ۴ صفحہ ۱۶۵) کہ زکوٰۃ انہی حکمرانوں کو دینی ہو گی چاہے وہ شرابی ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن مودودی صاحب اسے جماعت اسلامی کے کارکنوں کے لئے جائز قرار دینا چاہتے تھے' جو زیادہ تر خوش پوش لوگ تھے۔ اس کے لئے وہ پہلے یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ زکوٰۃ انفرادی معاملہ ہے۔ مثلاً وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا بنی ہاشم اپنے میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے متعلق آپ نے امام ابویوسف کی یہ رائے نقل کر دی کہ وہ آپس میں لے دے سکتے ہیں' جبکہ دوسرے اسے جائز نہیں سمجھتے" (صفحہ ۲۰۶)

اس کے بعد اگلا قدم اُٹھاتے ہیں اور اگلے ہی صفحہ پر اپنے مطلب کی بات کی طرف آ جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"راہِ خدا" کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو' اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رُو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اس کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی وہ جدّوجہد جس سے مقصود نظامِ کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظامِ اسلامی کو قائم کرنا ہے۔ اس جدّوجہد میں جو لوگ کام کریں' ان کو سفر خرچ کے لئے' سواری کے لئے' آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لئے زکوٰۃ سے مدد دی جا سکتی ہے خواہ وہ بجائے خود کھاتے پیتے لوگ ہوں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ان کو مدد کی ضرورت نہ ہو۔

(صفحہ ۲۰۸)

حالانکہ جو تفسیر بھی اُٹھا کر دیکھئے اس میں "فی سبیل اللہ" سے مراد قتال فی سبیل اللہ لکھا ملے گا۔ دیکھئے جو رقم حکومت کی تحویل میں جانی تھی' مودودی صاحب اپنی

جماعت کے کھاتے پیتے لوگوں کے لئے اس کا جواز نکال رہے ہیں۔

زائد مسجد بنانا احمقانہ مذہبیت ہے

تفسیر زیر تبصرہ میں " ضرورت سے زائد مساجد " کی تعمیر کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

" مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں۔ ایک مسجدِ قبا جو شہر کے مضافات میں تھی۔ دوسری مسجدِ نبویؐ جو شہر کے اندر تھی۔ ان دو مسجدوں کی موجودگی میں ایک تیسری مسجد بنانے کی ضرورت نہ تھی اور وہ زمانہ ایسی احمقانہ مذہبیت کا نہ تھا کہ مسجد کے نام سے ایک عمارت بنا دینا بجائے خود کارِ ثواب ہو۔ قطع نظر اس سے کہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس ایک نئی مسجد بننے کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی جماعت میں خواہ مخواہ تفریق رُونما ہو۔ جسے ایک صالح اسلامی نظام کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔" (صفحہ ۲۳۳)

اللہ کی شان ہے کہ مودودی صاحب نے جن کاموں پر دوسروں پر لعن طعن کیا بعد میں خود ان سے مرتکب ہوئے۔ عورتوں کو مردوں کے مساوی عہدے دلانے والوں کو "شیطان کے شاگرد" کہا اور پھر ایک عورت کو ملک کا سب سے اعلیٰ انتظامی اور سیاسی عہدہ دلانے کے لئے تن من دھن سے کام کیا۔ زاید از ضرورت مسجد بنانے کو احمقانہ مذہبیت قرار دیا لیکن اب اس احمقانہ مذہبیت کے خود مرتکب ہو رہے ہیں اور عوام سے اپیل کی جا رہی ہے کہ جماعتِ اسلامی کی مسجد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پانچ لاکھ روپیہ چندہ دیں حالانکہ اس وقت لاہور کی ہزاروں مساجد نمازیوں کی عدم موجودگی یا کمی کی مرثیہ خواں ہیں۔ خود مرکز جماعتِ اسلامی کی قریب ترین مسجد (یعنی جامع مسجد محلّہ رسولپورہ) کو گِلہ ہے کہ جماعت کے مرکز سے قریب تر ہونے کے باوجود جماعتِ اسلامی سے متعلق کوئی صاحب وہاں نماز پڑھنے نہیں آتے۔ اور اس مسجد کی غیر آبادی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ موجودہ حاضری سے پچاس گنا زیادہ نمازیوں کے لئے کافی ہے۔

(راقم عام طور پر اسی مسجد میں نماز ادا کرتا ہے) سوچئے کہ جس معیار کے مطابق وہ مدینہ منورہ کی تیسری مسجد کی تعمیر غیر ضروری سمجھتے ہیں کیا لاہور کی ہزاروں غیر آباد مساجد کی

موجودگی میں ان کا پانچ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک نئی مسجد بنانا ' احمقانہ مذہبیت شمار نہیں ہو گا؟

موجودہ مذہبی تعلیم کے بنیادی نقائص

مودودی صاحب نے اپنی اس تفسیر میں سُرخیاں قائم نہیں کیں ' تاہم ایک مفصّل انڈکس دیا ہے جس سے ان کی قائم کردہ سُرخیاں حاصل کی جا سکتی ہیں ۔ اور ہم نے کوشش کی ہے کہ زیادہ تر ایسی سُرخیاں وہی دی جائیں جو خود ان کی اپنی قائم کردہ ہوں ۔ چنانچہ انڈکس کے صفحہ ۶۷۱ کے شروع میں مذکورہ بالا سُرخی دیتے ہیں اور پھر اپنی تفسیر کے صفحہ ۲۵۱ ۔ ۲۵۲ پر اس کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اس آیت میں لفظ **لیتفقھو افی الدین** جو استعمال ہوا ہے ' اس سے بعد کے لوگوں میں ایک عجیب غلط فہمی پیدا ہو گئی ' جس کے زہریلے اثرات ایک مدّت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم بلکہ ان کی مذہبی زندگی پر بھی بُری طرح چھائے ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے تو تفقّہ فی الدین کو تعلیم کا مقصود بتایا تھا ' جس کے معنی ہیں دین کو سمجھنا ' اس کے نظام میں بصیرت حاصل کرنا ' اس کے مزاج اور اس کی رُوح سے آشنا ہونا ' اور اس قابل ہو جانا کہ فکر و عمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان یہ جان سکے کہ کونسا طریقِ فکر اور کونسا طرزِ عمل رُوحِ دین کے مطابق ہے ۔ لیکن آگے چل کر جو قانونی علم اصطلاحاً فقہ کے نام سے موسوم ہوا اور جو رفتہ رفتہ اسلامی زندگی کی محض صورت (بمقابلہ رُوح) کا تفصیلی علم بن کر رہ گیا ' لوگوں نے اشتراکِ لفظی کی بنا پر سمجھ لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کا حاصل کرنا حکمِ الٰہی کے مطابق تعلیم کا منتہائے مقصود ہے ' حالانکہ وہ کل مقصود نہیں بلکہ محض ایک جزُو مقصود تھا ۔ اس عظیم الشّان غلط فہمی سے جو نقصانات دین اور پیروانِ دین کو پہنچے ان کا جائزہ لینے کے لئے تو ایک کتاب کی وسعت درکار ہے ' مگر یہاں ہم اس پر متنبہ کرنے کے لئے مختصراً اتنا اشارہ کئے دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو جس چیز نے رُوحِ دین سے خالی کر کے محض جسمِ دین اور شکلِ دین کی تشریح پر مرتکز کر دیا اور بالآخر جس چیز کی بدولت مسلمانوں کی زندگی ایک نری بے جان ظاہر داری ' دینداری کی آخری منزل بن کر رہ گئی وہ بڑی حد تک یہی غلط فہمی ہے ۔ "

مودودی صاحب کی ایسی تحریریں پڑھ کر خوشی ہوتی ہے بشرطیکہ وہ یہ بات صدقِ دل سے کہتے ہوں۔ اسی مسئلہ زیر بحث، یعنی ہماری مذہبی تعلیم کے نظام ہی کو لے لیجئے۔ اسے مروّجہ اصطلاح میں "درسِ نظامی" کہا جاتا ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں اس کے خلاف اتنا کچھ فرما رہے ہیں۔ لیکن جب جماعتِ اسلامی کو اسی مذہبی تعلیم سے آراستہ مولوی حضرات کے تعاون کی ضرورت محسوس ہوئی، تو یہی نظام "ٹھوس قابلیت پیدا کرنے والا نظامِ تعلیم" بن گیا۔

مودودی صاحب کے ترجمان رسالہ ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۶۷ء کے اداریہ (اشارات) میں ہمیں اس نظامِ تعلیم کے بارے میں یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

"مجھے قدیم اور جدید دونوں مدارس میں تھوڑی مدت پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ درسِ نظامی کا نصاب ٹھوس علمی قابلیت پیدا کرنے کے اعتبار سے جدید مدارس کے نصاب سے کہیں بہتر ہے۔ اس نصاب کو اگر اچھے طریقہ سے پڑھ لیا جائے تو قرآن و سُنّت اور فقہ اسلامی کو سمجھنے کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔"
(صفحہ ۱۶/۱۶)

اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۹۹ پر مودودی صاحب جس طرز پر حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کا ذکر کرتے ہیں، انڈکس میں اس کے لئے عنوان "مصر کا سیفٹی ایکٹ" تجویز کرتے ہیں اور اس کے تحت لکھتے ہیں:۔

"اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو شرائطِ انصاف کے مطابق عدالت میں مجرم ثابت کئے بغیر بس یونہی پکڑ کر جیل بھیج دینا، بے ایمان حکمرانوں کی پرانی سُنّت ہے۔ اس معاملہ میں بھی آج کے شیاطین چار ہزار برس پہلے کے اشرار سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ فرق اگر ہے تو بس یہ کہ وہ جمہوریت کا نام نہیں لیتے اور یہ اپنے ان کرتوتوں کے ساتھ یہ نام بھی لیتے ہیں۔ وہ قانون کے بغیر اپنی غیر قانونی حرکتیں کیا کرتے تھے اور یہ ہر ناروا زیادتی کے لئے پہلے ایک "قانون" بنا لیتے ہیں۔ وہ صاف صاف اپنی اغراض کے لئے لوگوں پر دست درازی کرتے تھے اور یہ جس پر ہاتھ ڈالتے ہیں اس کے متعلق دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس سے ان کو نہیں بلکہ ملک اور قوم کو

خطرہ تھا۔ غرض وہ ظالم تھے ' یہ اس کے ساتھ جھوٹے اور بے حیاء بھی ہیں"

(صفحہ ۳۹۹' ۴۰۰)

اپنی قید کو انبیاء کی آزمائش کے ہم پلّہ قرار دینا

قرآنِ مجید کے الفاظ کے مطابق عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ناجائز مطالبہ کیا اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی کہ اگر اس کی خواہش پوری نہ کی گئی تو وہ اسے جیل بھجوا دے گی۔ حضرت یوسفؑ نے اس برائی کے بجائے خوشی خوشی جیل جانا منظور فرما لیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مودودی صاحب اسے آجکل کے "سیفٹی ایکٹ" پر کیسے اور کیوں منطبق فرما رہے ہیں۔ اس کی حقیقت اس وقت کُھلتی ہے جب آپ کی تفسیر کی جلد اوّل کے مقدّمے پر نظر ڈالی جائے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں یکایک مجھے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل بھیج دیا گیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا تفسیر کے ذریعے اپنی قید کو حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کے ہم پلّہ قرار دینے کے لئے آپ انہیں بھی مصر کے سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل بھجواتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مودودی صاحب کو بھی کسی اُونچے خاندان کی عورت نے اپنی خواہشات کا کھلونا بنانا چاہا تھا کہ جس کے انکار پر اُنہیں جیل بھجوا دیا گیا تھا؟ اگر یہ بات نہیں تھی تو انہیں اپنے آپ کو ایک اولوالعزم نبیؑ کے ہم پایہ قرار دینے کے لئے کچھ تو تأمل کرنا چاہئے تھا۔ آخر خودستائی اور انانیت کی کوئی حد ہونی چاہئے۔ مودودی صاحب کو جس سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا وہ بانیٔ پاکستان قائدِاعظمؒ کے زمانۂ حیات میں بنایا گیا تھا اور جس پر قائدِ ملّت لیاقت علی خان کے زمانے میں عمل ہوتا رہا اور انہی کے زمانے میں اِنہیں گرفتار کیا گیا۔ خود مودودی صاحب کو بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اُن کا جرم کیا تھا اور عامتہ النّاس کو بھی۔ یہ تھا مسئلہ کشمیر کے متعلّق اِن کا وہ فتویٰ جس نے عین اس وقت جب ملک کو اس باب میں متّفق الرّائے ہونے کی اشد ضرورت تھی (اور ملک متّفق الرّائے تھا) بحث و نزاع کا دروازہ کھول دیا اور جو لوگ کشمیر کی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانی کے لئے سرکف کھڑے تھے ' ان کے دلوں کو تذبذب کی آماجگاہ بنا دیا۔ اس سے ملک کی سلامتی کو جو نقصان پہنچا '

مودودی صاحب کو قید کرنے والے حکمران ' بے ایمان ' شیطان ' ظالم ' جھوٹے اور بے حیا ہیں

اس کے احساس سے خود جماعتِ اسلامی کو ایک حد تک اپنے امیر کے فتوے سے لاتعلقی کا اظہار کرنا پڑا (ترجمان القرآن ۔ بابت ستمبر ۴۸ صفحہ ۳۲۸) ۔ ایک نوزائیدہ مملکت میں اتنی بڑی کھلبلی پیدا کرنے کے باوجود اپنی قید کو تقدس کا جامہ پہنانے کے لئے پہلے اس کا ذکر اپنی تفسیر کے مقدمے میں کرتے ہیں اور پھر جن پاکستانی حکمرانوں نے سیفٹی ایکٹ کے تحت انہیں قید کیا ' اُنہیں اور اس قانون کے بنانے والے پاکستانی حکمرانوں کو تفسیر جیسی سنجیدہ کتاب میں " بے ایمان ' شیطان ' ظالم ' جھوٹے اور بے حیاء " جیسی مغلّظات سے نوازتے ہیں ۔ قارئین نے یہ چیز بڑے دکھ کے ساتھ محسوس کی ہو گی کہ ان کی اس دشنام طرازی کی زَد کس طرح قائدِاعظمؒ اور قائدِ ملّت پر پڑ رہی ہے !

پتھر کے بت اور اولیاء اور انبیاء کو مدد کیلئے پکارنا

صاحبِ تفسیر اپنی تفسیر کے صفحہ ۵۳۳ کے مضمون کے لئے جو سُرخی انڈکس میں دیتے ہیں اس کے الفاظ ہیں " صرف پتھر کے بت پوجنا ہی شرک نہیں بلکہ اولیاء اور انبیاء کو مدد کے لئے پکارنا بھی شرک ہے ۔ " اور اس کے تحت فرماتے ہیں :-

" یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جنّ یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں ' بلکہ اصحابِ قبور ہیں ۔ اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ' ان پر **اموات غیر احیاء** کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے ۔ اس لئے **مایشعرون ایان یبعثون** کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں ۔ اب لامحالہ اس آیت میں **الذین یدعون من دون** اللہ سے مراد وہ انبیاءؑ ' اولیاء ' شہداء ' صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا ' مشکل کشا ' فریاد رس ' غریب نواز ' گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں ۔ " (صفحہ ۵۳۳)

دین کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ہاں قبر پرستی اور اولیاء اللہ کو مدد کے لئے پکارنا ایک عام رواج سا بن گیا ہے اس لئے اس رواج کو ختم کرنے کے لئے جہاں سے بھی کوئی آواز اُٹھتی ہے ہم اس کی تعریف و تائید کرتے ہیں ۔ مودودی صاحب کے مجموعۂ تضادات میں ایسی عبارت کا سامنے آنا ہمارے لئے باعث خوشی ہوا ۔ چونکہ ہمارے ملک میں اس قسم کے " غالی معتقدین " کی بڑی کثرت ہے ۔ اور ایک انتخاب لڑنے والی پارٹی اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ اتنی بڑی اکثریت کو ناراض کر لے ' اس لئے مودودی صاحب ان کی ناپسندیدگی دُور کرانے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے اور یہ موقع اُنہیں جلد ہی مل گیا ۔ ہؤا یوں کہ صدر ناصر سے ناراضگی کے بعد سعودی عرب کے بادشاہ نے مختلف اسلامی ممالک میں غلافِ کعبہ تیار کروائے ۔ پاکستان میں یہ کام جماعتِ اسلامی نے سر انجام دیا ۔ ان کا تیار کروایا ہؤا غلاف کعبہ شریف کی زینت تو نہ بن سکا لیکن انہوں نے عوام کے مذہبی جذبات سے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے ملک بھر میں اس غلاف کے کپڑے کے جلوس نکالے اور لاہور میں ایک ایسے ہی جلوس کے دوران اسے داتا دربار کا بھی طواف کرا دیا ۔ اور اس طرح مودودی صاحب نے " غالی معتقدین " کے دل سے یہ اثر زائل کر دیا کہ وہ قبر پرستی کے خلاف ہیں ۔ میکیا ولی سیاست انسان سے کیا کچھ نہیں کراتی ۔ !

معراجِ نبوی ؐ جسمانی تھا یا روحانی

صحابہ کرام ؓ اور سلفِ صالحین کے درمیان معراج نبوی ؐ کی نوعیت کے بارے میں (کہ یہ جسمانی تھا یا روحانی) شروع ہی سے اختلاف رہا ہے ۔ چنانچہ تمام مفسّرین نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے ' بلکہ وہ اس حد تک تصریح کرتے ہیں کہ اگرچہ اکثر صحابہ ؓ اور تابعین ؒ اس طرف گئے ہیں کہ معراج روح و جسم دونوں پر طاری ہوا لیکن حضرت عائشہ ؓ ' حضرت حذیفہ بن الیمان ' حضرت حسن ؒ ' حضرت امیر معاویہ ؓ اور ابن اسحاق و غیرہم ؒ سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ تھا ۔ دیانت کا تقاضا تھا کہ مودودی صاحب ان دونوں گروہوں کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی رائے دیتے لیکن وہ صحابہ کرام ؓ کے اس اختلاف کی طرف کسی قسم کا اشارہ کئے بغیر فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے یہ مانے بغیر

چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور یعنی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔" (صفحہ ۵۸۹)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب اپنی فہم قرآن کو ان صحابہؓ کے فہم قرآن سے اعلیٰ سمجھتے ہیں کہ جو معراج کے روحانی ہونے کے قائل تھے' اسی لئے وہ ان کے عقیدہ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ اس کی طرف اشارہ تک بھی کیا جائے۔

ایک کپکپا دینے والا مقام

اب ہم اس تفسیر کے اس گوشے کی طرف آتے ہیں' جسے دیکھ کر ہمارا سر چکرا گیا اور جس کے نتائج کے احساس سے ہماری روح پر کپکپی چھا گئی۔ اس گوشے تک پہنچنے سے پہلے ایک تمہیدی وضاحت ضروری ہے۔

مودودی صاحب مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں اس حد تک متشدّد تھے کہ انہوں نے برملا کہہ دیا کہ اس جدّوجہد کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ مسلمانوں کی "کافرانہ ریاست" ہو گی بلکہ اس سے بھی بدتر۔ ان کی اس مخالفت کے علی الرغم پاکستان وجود میں آ گیا تو وہ نہایت بے حمیتی سے ہندوستان سے بھاگ کر اسی "کافرانہ ریاست" میں پناہ لینے کے لئے آ گئے --- کچھ ایسا نظر آتا ہے جیسے وہ اس مملکت کو تباہ کرنے کے لئے مامور کئے گئے تھے' ورنہ ان کا اِن حالات میں پاکستان کی طرف رُخ کرنا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے حکومت کے ملازمین کے دل میں حکومت کے خلاف بغاوت کے جراثیم بیدار کئے۔ جب پنجاب گورنمنٹ نے اپنے ملازمین سے مملکت کی وفاداری کا حلف لینے کو کہا تو اس جماعت سے متأثرین نے اس سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے یہ بھی فتویٰ دیا کہ فوج کی ملازمت بھی ناجائز ہے۔ اس مقام پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت یوسفؑ جیسے اولوالعزم رسولؑ نے فرعون جیسے کافر کی حکومت میں منصب قبول کر لیا تھا' یہاں کی حکومت نہ تو فرعون سے زیادہ کافر ہے اور نہ ہم لوگ حضرت یوسفؑ سے زیادہ بلند مرتبت' تو پھر اس حکومت کی ملازمت کس طرح ناجائز قرار دی جا سکتی ہے۔ اعتراض بڑا وزنی تھا لیکن مودودی صاحب تو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کے

جواز میں ثبوت اور دلائل پیش کرنے کے لئے دامنِ حضرت یوسفؑ کے چاک کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کیا۔ یہ ہے اس تفسیر کا وہ مقام جس سے ہماری روح پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے تو یہ کہا کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون کی حکومت میں کوئی منصب قبول کر لیا تھا۔ تفسیر کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کی تفسیر میں دورِ انحطاط کے مسلمانوں نے کچھ اس ذہنیت کا اظہار کیا ہے جو کبھی یہودیوں کی خصوصیت تھی۔ یہ یہودیوں کا حال تھا کہ جب وہ ذہنی و اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے تو پچھلی تاریخ میں جن جن بزرگوں کی سیرتیں اُن کو بلندی پر چڑھنے کا سبق دیتی تھیں، اُن سب کو وہ نیچے گرا کر اپنے مرتبے پر اُتار لائے تاکہ اپنے لئے اور زیادہ نیچے گرنے کا بہانہ پیدا کریں۔ افسوس یہی کچھ مسلمانوں نے کیا۔ انہیں کافر حکومتوں کی چاکری کرنی تھی، مگر اس پستی میں گرتے ہوئے اسلام اور اس کے علمبرداروں کی بلندی دیکھ کر انہیں شرم آئی۔ لہٰذا اس شرم کو مٹانے اور اپنے ضمیر کو راضی کرنے کے لئے یہ اپنے ساتھ اس جلیل القدر پیغمبر کو بھی خدمتِ کفر کی گہرائی میں لے گرے۔ جس کی زندگی دراصل انہیں یہ سبق دے رہی تھی کہ اگر کسی ملک میں ایک اور صرف ایک مردِ مومن بھی خالص اسلامی اخلاق اور ایمانی فراست و حکمت کا حامل ہو تو وہ تنِ تنہا مجرد اپنے اخلاق اور اپنی حکمت کے زور سے اسلامی انقلاب برپا کر سکتا ہے۔" (صفحہ ۴۱۳)

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا یہ دیکھتے جایئے کہ جسے یہ مفسّر خدمتِ کفر قرار دے رہا ہے، خود خدا اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خود فرعونِ مصر سے یہ کہا تھا کہ مملکت کے مالیات یا اراضیات کے نظم و نسق کا شعبہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ میں اس کا ایسا انتظام کر سکتا ہوں جس سے قحط کی یہ انسانیت سوز مصیبت ٹل جائے گی (۱۲/۵۵) اللہ تعالیٰ نے اس منصب کو اپنی "رحمت" قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہم محسنین کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے (۱۲/۵۶) یہ ہے خدا کی نگاہوں میں اس منصب کی پوزیشن جسے مودودی صاحب خدمتِ کفر قرار دیتے ہیں۔

لیکن مودودی صاحب کا مقصد تو اس سے بھی حاصل نہ ہوا۔ یہ خدمتِ کفر تھی یا رحمتِ خداوندی، بہرحال ایک کافر بادشاہ کی حکومت میں ملازمت تو ضرور تھی۔ اس خود ساختہ پھندے سے نکلنے کے لئے مودودی صاحب نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ ہرچند شاہ مصر کے ہاں بہت بڑے منصب پر فائز تھے لیکن وہ "مصر کے شاہی قانون پر عمل نہیں کرتے تھے۔" (صفحہ ۴۳۰)

یعنی انہوں نے اس حکومت کا منصب تو ضرور قبول کر رکھا تھا لیکن عمل اس حکومت کے قوانین کے خلاف کرتے تھے۔ آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب کس طرح اپنی سیرت و کردار کو پیرہنِ یوسفیؑ پہنا رہے ہیں!

اس سے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت یوسفؑ حکومتِ فرعون کے قوانین کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔ اس کے ثبوت کے لئے پھر ایک وضاحتی پس منظر کی ضرورت پیش آگئی۔ جب حضرت یوسفؑ کے بھائی (دوسرے بھائیوں کے ساتھ) مصر میں آتے ہیں تو حضرت یوسفؑ کا جی چاہتا تھا کہ انہیں اپنے پاس رکھ لیں لیکن مملکت کا قانون یہ تھا کہ کسی غیر ملکی کو کسی جرم کے بغیر روکا نہیں جا سکتا۔ (۱۲/۷۶) اس مشکل کے حل کے لئے مودودی صاحب کے الفاظ میں، حضرت یوسفؑ نے ایک اسکیم تیار کی کہ کس طرح اپنے بھائی کو مجرم ٹھہرا کر اسے روک لیا جائے۔ اس سلسلے میں وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

"دونوں بھائیوں میں مشورہ ہوا ہو گا (یعنی بن یامین کو چور بنانے کا) کہ اسے روکنے کی تدبیر کی جائے، اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے اس میں بھائی کی ہتک تھی کہ اس پر چوری کا دھبہ لگتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ دھبہ اس طرح آسانی سے دُھل سکتا تھا کہ دونوں بھائی اصل معاملہ کو دُنیا پر ظاہر کر دیں"۔ (صفحہ ۴۱۹)

چنانچہ اس اسکیم کے مطابق (مودودی صاحب کی تفسیر کی رُو سے) حضرت یوسفؑ نے بن یامین کے شلینے میں اپنا شاہی کٹورہ رکھ دیا۔ پھر اُسے پکڑوا دیا اور اس طرح چوری کے جُرم میں اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیا۔ ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ خدا کے ایک اولوالعزم پیغمبر کی سیرت کا نمونہ مودودی صاحب کے آئینہ میں۔ (استغفر اللہ! استغفر اللہ

(ضمناً) اِن سے کون پوچھے کہ اگر حضرت یوسفؑ مملکت کے قانون کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے تو وہ کس کا قانون تھا جس کی رُو سے انہوں نے چوری کے جرم میں بن یامین کو روک لیا تھا۔۔؟

بہرحال یہ ہے نمونہ اس تفسیر کا جسے ہزار سالہ اسلامی لٹریچر میں فقید المثال قرار دیا جا رہا ہے اور جس کے مصنّف کو امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہؒ کا ہمسر بتایا جاتا ہے۔ اس تفسیر کی تکمیل پر تقاریبِ جشن منانے والوں سے تو ہمیں کوئی گلہ نہیں کیونکہ وہ تو مودودی صاحب کے تنخواہ دار ملازم یا خوشامدی مصاحب ہیں۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں ان "دانشورانِ قوم سے" جنہوں نے ان تقاریب میں اس تفسیر کی مدح و ستائش میں اس قدر بلند آہنگ قصیدہ خوانی کی ہے کہ کیا اُنہوں نے اس تفسیر کو پڑھ کر ایسا کچھ کہا ہے۔ اگر انہوں نے اسے پڑھنے کے بعد ایسا کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تفصیلی نکات میں مودودی صاحب کے ہمنوا ہیں اور اسے ان کی خدمت جلیلہ تصوّر کرتے ہیں تو ہم ان کے متعلق بھی کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ مصنّف کے ساتھ ان کا محاسبہ بھی ان کے خدا کے ہاں ہو گا اور اگر انہوں نے اس تفسیر کو پڑھا ہی نہیں یا پڑھنے کے بعد محض چند مزعومہ مصالح کے پیشِ نظر مداہنت برتی ہے تو کیا انہوں نے سوچا بھی ہے کہ اس سے انہوں نے جس قدر عوام کو گمراہ کیا ہے اس کا ان کے پاس کیا جواب ہے۔ خدا، اس کے برگزیدہ انبیاؑ اور اس کی کتابِ عظیم کے ساتھ اس قسم کی بیباکانہ گستاخی کون سی عدالت میں قابلِ عفو قرار پائے گی۔!!

حواشی باب ہفتم

۱۔ واضح رہے کہ اس جرم کے مجرم، اس زمانے کے مسلمان ہی نہیں، ائمہ متقدمین نے بھی اپنی تفاسیر میں یہی لکھا کہ حضرت یوسفؑ نے حکومت فرعون میں منصب قبول کر لیا تھا ۱۲۔

آٹھواں باب

جہادِ کشمیر کو حرام قرار دینے کے لیے قرآنِ مجید سے استدلال

مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن جلد دوم پر تبصرہ کرتے وقت دو اہم مسائل کا سرسری ذکر کیا گیا تھا' ایک جہادِ کشمیر کے حرام قرار دینے کے بارے میں مودودی صاحب کا فتویٰ اور دوسرا قرآن میں مُرتد کی سزا کے بارے میں حکم۔ یہ دونوں بڑے اہم مسائل ہیں جن کا پاکستان کی تاریخ اور دینِ اسلام کی تبلیغ سے گہرا تعلق ہے' اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان دونوں مسائل کو علیٰحدہ پوری تفصیلات کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے تاکہ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کی جانب سے جس طرح تاریخ کو مسخ کیا جا رہا ہے اسے بے نقاب کیا جا سکے۔

مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ جس کا سرسری ذکر' تفہیم القرآن جلد دوم کے تبصرے میں گزر چکا ہے۔ بعد میں مودودی صاحب نے فتویٰ کے الزام کو جھوٹ قرار دیا اور یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ انہوں نے تو کشمیر کے بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا' حکومت نے انہیں بدنام کرنے کیلئے ان کے خلاف جھوٹ بولا تھا۔ ان کے اس دعویٰ کا آئندہ سطور میں جائزہ لیا جا رہا ہے۔

مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن پر راقم کا مبسوط تبصرہ ماہ نامہ طلوع اسلام میں قسط وار شائع ہو چکا ہے' جسے اب کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ راقم نے دوسری جلد کے تبصرے میں ایک نازک مسئلہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ نازک مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ کے بارے میں تھا جسے مودودی صاحب نے اپنی قرآنی فکر کی روشنی میں ناجائز قرار دے دیا تھا۔ مودودی صاحب کے اس فتویٰ کا تجزیہ کرتے ہوئے راقم نے یہ ثابت کیا تھا کہ دراصل مودودی صاحب جہادِ کشمیر کی حُرمت کے بارے میں جو غلط فتویٰ دے چکے ہیں اس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں تھی' اس کے لئے انہوں نے قرآنِ مجید کی ایک آیت کی ایسی تاویل و تفسیر فرمائی جس کے نتیجے میں ہندوستان کے مسلمانوں

سے شادی بیاہ حرام قرار پاتا تھا۔

میرے اس تجزیئے کو پڑھنے کے بعد کراچی سے ایک عزیز نے خط لکھا جس میں مجھ پر غلط بیانی کا الزام لگایا گیا۔ اُن کا اِرشاد تھا کہ مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کو کبھی حرام قرار نہیں دیا تھا۔ یہ تو اس وقت کے حکمرانوں نے ان کی کردار کشی کے لئے ان کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کراچی سے شائع ہونے والے ہفت روزہ " پیمان " کا ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء کا شمارہ بھی ارسال کیا جس میں مودودی صاحب کا باتصویر انٹرویو تھا اور اس کا عنوان تھا۔ " ایک سرکاری ملازم نے اخباروں کو جھوٹا بیان دیا کہ میں (مودودی) نے جہادِ کشمیر کو حرام قرار دیا ہے"۔ راقم نے اس ہفت روزہ کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا کہ چند احباب تشریف لائے اور اس رسالے کے ٹائٹل پر ایک دلکش تصویر دیکھ کر بڑی منّت سماجت سے وہ شمارہ لے گئے۔ یہ تصویر کراچی یونیورسٹی یونین کے انتخابات کے بارے میں تھی، جس میں اسلامی جمعیتہ طلبہ سے متعلق تین لڑکیاں بڑی شانِ بے نیازی سے کھڑی تھیں اور اُن کے کھلے بالوں پر دوپٹوں کی بجائے جو کاغذی تاج سجے تھے ان پر اِسلامی جمعیتہ طلبہ تحریر تھا۔ اندر کے صفحات میں جمعیت کی طرف سے جیتنے والی ایک محترمہ رخسانہ ریاض کا انٹرویو تھا، جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم تعلیم یافتہ لڑکیوں کے گھر میں قید رہ جانے کو پسند نہیں کرتے۔ (صفحہ ۲۳) راقم کے لئے تو ان میں سے کوئی چیز بھی انوکھی یا غیر معمولی نہ تھی لیکن میانوالی جیسے قدامت پسند علاقے کے لئے اس میں انوکھے پن سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ بالخصوص جب کہ اس میں مودودی صاحب کے فوٹوؤں کے مختلف پوز تھے حالانکہ آپ شرعی طور پر ہر قسم کے تصویر کشی کو حرام قرار دیتے ہیں اور عورتوں کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکالنے والے " ملزموں " کو اپنی تفسیر جیسی متبرک کتاب میں شیطان کے شاگرد قرار دیتے ہیں (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۹۹) مختصر یہ کہ یہ اخبار ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے ہاتھ میں جانے لگا۔ یہاں تک کہ راقم اس سے محروم ہو گیا۔

لیکن یہ محرومی بھی راقم کے حق میں نوازش ثابت ہوئی کیونکہ اس کے بعد کراچی کے ایک دوست کے تعاون سے مجھے " پیمان " کے وہ سات شمارے مل گئے جن میں

مودودی صاحب کا انٹرویو قسط وار پھیلا ہوا تھا۔ اس انٹرویو کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اسے پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب قرار دیا گیا ہے' یہاں تک کہ خود مودودی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ یہ واقعات پہلی مرتبہ منظرِعام پر آ رہے ہیں (صفحہ ۶) اس انٹرویو میں پاکستان کی سیاسی تاریخ کے بہت سے اہم معاملات کے بارے میں کچھ ایسے دعوے کئے گئے ہیں جن کی صحت بڑی حد تک مشکوک ہے۔ ممکن ہے یہ مبسوط انٹرویو اس وقت تک کتابچے کی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہو' جو آئندہ کے لئے ہماری "مستند تاریخ" بن جائے بنابریں راقم اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے کہ ان مشکوک دعوؤں کی اصل حقیقت قارئین کے سامنے پیش کر دے۔

فتویٰ سے انکار

اس مقصد کے لئے ہم سب سے پہلے مودودی صاحب کے اس دعویٰ کو لیتے ہیں جو ان کے پہلے انٹرویو کا عنوان ہے یعنی ایک سرکاری ملازم نے اخباروں کو یہ جھوٹا بیان دیا کہ میں نے جہادِ کشمیر کو حرام قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ اس الزام کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے اس انٹرویو میں فرماتے ہیں۔

"میں پہلے بھی کئی مرتبہ یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ کبھی نہیں دیا۔ بات صرف یہ ہوئی تھی کہ حکومتِ آزاد کشمیر کا پبلسٹی سیکرٹری ایک دن پشاور میں میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے تخلیئے میں کچھ بات کرنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اسے تنہائی فراہم کی تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ آخر جہادِ کشمیر میں حصّہ کیوں نہیں لے رہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس کی وجہ دانستہ بیان کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن جب اس نے اصرار کیا تو میں نے کہا کہ اگر مجھے جہادِ کشمیر میں حصّہ نہ لینے کی وجہ بیان کرنی ہوتی تو میں یہ کام خود کرتا۔ اس کے لئے مجھے آپ کی مدد لینے کی کیا ضرورت تھی کہ میں آپ سے بیان کروں اور آپ اسے دنیا کے سامنے بیان کریں۔ وہ بولا میں یہ بات محض اپنے اطمینان کے لئے پوچھ رہا ہوں۔ میرا مقصد اس معاملے کی ترویج و اشاعت نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ واقعی یہ بات صرف اپنے اطمینان کے لئے پوچھ رہے ہیں تو سنیئے۔ جہادِ کشمیر کے سلسلے میں میرے نزدیک یہ کوئی معقول بات نہیں

ہے کہ وہاں لڑائی بھی ہو اور نہ بھی ہو ۔ یعنی ایک طرف ہماری حکومت تمام دنیا کے سامنے اعلان کرے کہ ہم لڑ نہیں رہے بلکہ لڑنے والوں کو روک رہے ہیں اور دوسری طرف وہ لڑے بھی ' تو اس سے نہ صرف ہماری اخلاقی پوزیشن خراب ہو گی بلکہ ہم لڑ بھی نہیں سکیں گے ۔ " (ہفت روزہ پیمان کراچی بابت ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء)

مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کے بارے میں " جو کچھ " فرمایا تھا اگر وہ محض زبانی کلامی ہوتا تو پھر تو ان کی مذکورہ بالا وضاحت واقعی پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک باب بن جاتی ۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انہوں نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا تھا وہ سب تحریر میں آ چکا تھا ' جس میں اور تو بہت کچھ تھا لیکن مذکورہ بالا وضاحت کے الفاظ نہیں تھے ۔ حکومت کے پبلسٹی سیکرٹری سے آپ نے جو " نجی گفتگو " فرمائی تھی " احتیاط " کے لئے آپ نے اس کی ایک نقل رکھ لی تھی جو بعد میں جماعتِ اسلامی کے اس وقت کے ترجمان " سہ روزہ کوثر " میں شائع کی گئی تھی ۔ بڑے لیڈروں کی ان باتوں کو شاید نجی تصوّر کر لیا جائے جو وہ اپنے بیوی بچّوں سے کریں ۔ وگرنہ ان کے معتبر سے معتبر دوست اور رفیقِ کار سے گفتگو کو بھی کبھی نجی نہیں سمجھا گیا ' بالخصوص جب یہ نجی گفتگو ایک ایسی حکومت کے اہم عہدیدار سے ہو جسے مودودی صاحب اُٹھتے بیٹھتے مثیل فرعون قرار دیتے ہوں ۔

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۳۷)

فتویٰ نہیں فقہی رائے

جہادِ کشمیر کے بارے میں سہ روزہ کوثر میں چھپنے والے مودودی صاحب کے طویل بیان کو نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی ۔ بفرض اختصار ہم جماعتِ اسلامی کی مجلس شوریٰ کی اس بارے میں قرار داد کا وہ حصّہ نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت خود بخود سامنے آ جائے گی کہ مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کی حرمت کے بارے میں " کیا کچھ " فرمایا تھا ۔ آپ نے اس بارے میں " جو کچھ " فرمایا تھا علمائے پاکستان اور عامتہ النّاس نے اسے ایک فتویٰ سمجھا ۔ لیکن مودودی صاحب بار بار اصرار فرماتے تھے کہ یہ فتویٰ نہیں " کچھ اور " تھا ۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی کی مجلس شوریٰ نے سب سے پہلے اس دلدل سے

نکلنے کے لئے یہ وضاحت فرمائی:۔

"یہ کوئی فتویٰ نہیں تھا بلکہ امیر جماعتِ اسلامی کی فقہی رائے تھی"۔

(ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۳۲۸)

جماعتِ اسلامی کی مجلس شوریٰ اگر فتویٰ اور فقہی رائے میں فرق بیان کر دیتی تو اہلِ پاکستان پر اس کا احسان ہوتا، لیکن معلوم نہیں اس نے یہ تکلیف گوارا کیوں نہ کی کہ عامۃ النّاس تو کُجا پاکستان کے بڑے بڑے علمائے دین تک اسے فتویٰ ہی سمجھتے رہے۔

چنانچہ یہ فتویٰ تھا یا "فقہی رائے" جماعتِ اسلامی کے لئے ایک مصیبت بن چکا تھا۔ اس سے جان چھڑانے کے لئے مجلسِ شوریٰ نے یہ قرارداد منظور کی:۔

"امیرِ جماعت نے اپنے پچھلے بیانات میں جو شرعی مسئلہ بیان کیا تھا وہ اس حالت سے متعلّق تھا جبکہ سرکاری طور پر اس امر کا اقرار و اظہار نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی فوجیں حدودِ کشمیر میں موجود ہیں۔ اب ۷ ستمبر کو مجلسِ اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن سے حکومتِ پاکستان کی جو مراسلت شائع ہوئی ہے اور وزیر خارجہ پاکستان نے ۸ ستمبر کو جو بیان دیا ہے اس میں اس امر واقعہ کا اظہار و اقرار موجود ہے اور حکومتِ ہند بھی اس پر مطلع ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب چونکہ معاملہ کی نوعیت بدل گئی ہے اور اس بنا پر اس کا شرعی حکم بھی وہ نہیں ہو گا جو پہلے تھا۔ اس لئے مجلس شوریٰ کی متّفقہ رائے یہ ہے کہ اب معاہدانہ تعلّقات کے باوجود اہلِ پاکستان کے لئے جہادِ کشمیر میں جنگی حصّہ بالکل جائز ہے۔ (ایضاً)"

دیکھئے مجلس شوریٰ کی اس تاویل کی چِلمن سے جہادِ کشمیر کی حرمت کا اصل فتویٰ کس بُری طرح جھانک رہا ہے۔ "اب" بالکل جائز ہے کے الفاظ پر غور فرمایئے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ "پہلے" یہ بالکل ناجائز تھا اور شاید ناجائز کے لئے کبھی کبھی حرام کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مدیر نوائے وقت حمید نظامی مرحوم کی طنز

اب تو مودودی صاحب فرما رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس "فقہی رائے" (فتویٰ نہیں) کا اظہار حکومت کے ایک اہم افسر سے نجی طور پر کیا تھا، اس وقت کیفیت یہ تھی

کہ جماعت کی جانب سے اس بارے میں دھڑا دھڑ لٹریچر تقسیم ہو رہا تھا۔

یہاں تک کہ "نوائے وقت" (جسے جماعت اسلامی والے اپنا اخبار سمجھتے ہیں) کے اس وقت کے ایڈیٹر حمید نظامی مرحوم کو ان طنزیہ الفاظ میں اس کی خبر لینی پڑی۔

"مولانا مودودی صاحب نے مسئلہ کشمیر کے متعلق جو "بصیرت افروز" اور "ایمان افروز" بیان جاری کیا ہے اس کی یہ خصوصیت بڑی دلچسپ ہے کہ یہ بیان ایک انٹرویو کی شکل میں ہے مگر یہ انٹرویو کسی خبر رساں ایجنسی مثلاً ایسوسی ایٹڈ پریس، اورینٹ پریس، یونائیٹڈ پریس یا سٹار کے نمائندہ کو نہیں دیا گیا۔ نہ کسی اخبار کے نمائندہ کو بلایا گیا ہے بلکہ "اسلامک نیوز ایجنسی" کے نام سے ایک خانہ ساز ایجنسی کے فرضی نمائندے کو "بلا کر" ایک طویل انٹرویو کی روئیداد مرتب کرلی گئی ہے۔ نمائندہ کو "فرضی" ہم نے اس لئے کہا ہے کہ سوالات و جوابات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اخباری رپورٹر مولانا سے سوال پوچھ نہیں رہا، بلکہ یہ بات شروع ہی سے مولانا کے مدِ نظر ہے کہ یہ جواب دینا مقصود ہے۔ اس لئے سوال بھی اس جواب کے مطابق گھڑ لیا گیا ہے۔ یعنی سوال پوچھنے والے بھی مولانا ہی ہیں اور جواب دینے والے بھی مولانا۔ انٹرویو بھی مولانا سے ہو رہا ہے اور انٹرویو بھی مولانا ہی کر رہے ہیں۔ اخباری نمائندہ بھی مولانا ہی ہیں اور لیڈر بھی مولانا۔

"خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ"

(روزنامہ نوائے وقت۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء)

مولانا شبیر احمد عثمانی کا مکتوب

بیان بازی کے بعد مولانا نے اپنے غلط فتویٰ کو شرعی بنیادیں فراہم کرنے کے لئے اپنے سنجیدہ رسالہ ترجمان القرآن میں جب بحث کا آغاز کیا تو علمائے اسلام کو اس کا سخت قلق ہوا۔ چنانچہ ان کی غلطی سے آگاہ کرنے کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک ذاتی مکتوب مولانا ظفر احمد انصاری کی معرفت انہیں پہنچایا۔ یہ خط و کتابت کافی طویل ہے جو بعد میں کراچی سے شائع ہونے والے جماعت ہی کے ایک رسالے "نشان راہ" کی ۲۴ ستمبر کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی اور اب اسے "خطبات عثمانی" نامی کتاب میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان تمام مکتوبات کا من و عن نقل کرنا تو

ممکن نہیں ' لیکن چونکہ ان سے جہادِ کشمیر کی شرعی حیثیت کے بارے میں علمی بحث کی گئی ہے اس لئے ہم مختلف خطوط کے جستہ جستہ اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عثمانی صاحب اپنے پہلے خط کی ابتداء ان الفاظ سے فرماتے ہیں:۔

"السلام علیکم۔ بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگِ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں۔ جنگِ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا۔ کیونکہ میرے نزدیک اس معاملے میں جناب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے ' آپ کا خیال ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کے حق میں کشمیر کی یہ جنگ اسلامی جہاد کا حکم نہیں رکھتی ' کیونکہ حکومتِ ہند اور حکومتِ پاکستان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور مملکتِ پاکستان کے باشندے اس معاہدے کا احترام کرنے پر شرعاً مکلّف ہیں۔ اب اگر وہ اس جنگ میں حصہ لیں تو یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہو گی۔ کاش اس موقعہ پر آپ محولہ معاہدہ کی متعلقہ دفعات بھی نقل فرما دیتے تو بہت اچھا ہوتا"۔

(خطبات عثمانی مرتبہ پروفیسر محمد انور الحسن شیر کوٹی صفحہ ۲۵۲)

اس کے بعد حضرت عثمانی نے تفصیل سے شرعی دلائل دے کر مودودی صاحب کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کی۔ ان کے اس مکتوب کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ مودودی صاحب نے بعد میں اپنی یہ دلیل کہ چونکہ مملکتِ خداداد پاکستان کے حکّام فاسق و فاجر ہیں ' لہٰذا جہاد درست نہیں ' دوبارہ نہ دہرائی۔ (خطبات عثمانی صفحہ ۲۴۶) تاہم انہوں نے حضرت عثمانی کے دلائل تسلیم کرنے کی بجائے انہیں ایک لمبا چوڑا خط لکھا جن میں ان وجوہ کو نمبر وار پیش کیا جن کی بنا پر وہ جہادِ کشمیر میں جنگی امداد کو شرعاً جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی سب سے اہم اور پہلی دلیل ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے:۔

(۱) یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمانانِ پاکستان کے اپنے منتخب

کیے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصاً اس حکومت کے گورنر جنرل کو کم از کم ۹۹ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ لہٰذا کسی بیرونی قوم کے ساتھ جو معاہدات یہ حکومت طے کرے وہ دراصل ہماری قوم کی طرف سے وکالتاً طے ہوں گے اور ہم سب شرعاً اور اخلاقاً خدا اور خلق کے سامنے انہیں وفا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ جب تک ان لوگوں کو قوم کی نمائندگی کا منصب حاصل ہے ہمارے افراد کو انفرادی طور پر ان کے کیے ہوئے معاہدات کی ذمہ داری سے بری ہو جانے کا حق نہیں ہے"۔ (ایضاً صفحہ ۲۵۲)

علمائے پاکستان کا فتویٰ

یہ خط و کتابت جتنی لمبی ہوتی جاتی تھی عامتہ النّاس کے شکوک و شبہات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا تو اس صورتِ حالات پر غور کرنے کے لئے پاکستان کے کچھ جیّد علماء اکٹھے ہوئے جن میں مندرجہ ذیل سربرآوردہ ہستیاں شامل تھیں۔ (۱) مولانا سیّد میرک شاہ صاحب اندرابی، صدر جمعیتہ العلمائے انصار المجاہدین لاہور۔ (۲) مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور۔ (۳) مولانا محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (۴) مولانا نور الحسن صاحب مہتمم تنظیم اہلِ سنّت لاہور (۵) مولانا سیّد محمود احمد صاحب خطیب مسجد وزیر خان لاہور۔

ان حضرات نے جہادِ کشمیر کے جواز کے بارے میں جو متّفقہ فتویٰ دیا تھا وہ روزنامہ نوائے وقت لاہور کی ۶ر اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس کا آخری پیرہ ان الفاظ پر مشتمل تھا:۔

"کشمیر کی موجودہ جنگ میں آیتِ مذکورہ کا پورا نقشہ موجود ہے۔ وہاں کے کمزور مسلمان، مرد، عورتیں اور بچے کُفّار سے عاجز ہو کر فریاد کر رہے ہیں۔ ان کی رہائی اور اسلام کے اعزاز اور فتنۂ کفر کے استیصال کے لئے باقاعدہ امارت کے ماتحت ایک باقاعدہ اسلامی فوج جنگ کر رہی ہے۔ لہٰذا اس کے جواز شرعی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔"

لیکن پاکستان کے ان سرکردہ علماء کے اس فتویٰ سے مودودی صاحب کی تسلّی نہ ہوئی اور وہ

اس بحث کو مزید اُلجھاتے چلے گئے ۔ اور اب مذکورہ انٹرویو میں یہ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس فقہی رائے سے ایک سرکاری افسر کو تنہائی میں مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی ۔ حالانکہ اس وقت صورتِ حالات یہ تھی کہ ایک طرف مودودی صاحب تھے جو اپنی غلط "فقہی رائے" پر اُڑے ہوئے تھے اور دوسری طرف سارے پاکستان کے ممتاز علماء انہیں ان کی غلطی پر متنبہ کر رہے تھے ۔ اس صورت حالات سے تنگ آکر نوائے وقت کے ایڈیٹر جناب حمید نظامی مرحوم نے بڑے دردناک الفاظ میں ایک اداریہ لکھا جس کا عنوان تھا "کج بحثی پر افسوسناک اصرار" ۔ واضح رہے کہ اگرچہ اس وقت قریب قریب تمام اخبارات میں مودودی صاحب کے خلاف لکھا جا رہا تھا ' لیکن ہم نوائے وقت کے اقتباس اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ اب بھی جماعتِ اسلامی والے اسے اپنا اخبار سمجھتے ہیں اور حمید نظامی مرحوم کو پاکستان کا سب سے بڑا دیانتدار صحافی قرار دیا جاتا ہے ۔ ان کا یہ یادگار اداریہ ان کے اخبار نوائے وقت کی ۱۵ ر اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت سے ملاحظہ فرمائیں :-

"مودودی صاحب نے مسئلہ کشمیر کے متعلّق اپنے اخبار میں ایک بیان چھپوایا تھا ۔ ہم نے اس بیان پر دو دن کوئی تبصرہ نہیں کیا اور نہ ہمارا یہ ارادہ تھا کہ اب ہم اس موضوع پر کچھ لکھیں ' اس لئے کہ ہم اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتے تھے ۔ مودودی صاحب مصر ہیں کہ پاکستان کے مسلمانوں کو جہادِ کشمیر میں کشمیری مسلمانوں کی امداد نہیں کرنی چاہئے ' کیونکہ کشمیر کی جنگ مولانا کے نزدیک پاکستانیوں کے لئے جہاد نہیں بلکہ اس لڑائی میں پاکستانی مسلمانوں کا لڑنا از رُوئے قرآن ناجائز ہے ۔ مودودی صاحب علمِ دین کے لحاظ سے کوئی زیادہ ممتاز شخصیت نہیں ۔ آپ ایک اچھے انشا پرداز اور ادیب ہیں مگر دین کے متعلّق آپ کا علم کچھ زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ' اس لئے خیال تھا کہ اگر آپ سے بہتر اور فاضل تر علماء آپ کو سمجھا دیں گے کہ اس مسئلے میں آپ کو غلطی ہوئی ہے تو آپ اس پر اصرار نہیں کریں گے ۔ مگر بدقسمتی سے مولانا علم و ادب میں منتہیٰ ہونے کے دعوے دار ہی نہیں ' امارت کے مدعی بھی ہیں ' اس لئے آپ برابر اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ باقی سب کی رائے غلط ہے اور جو میں کہتا ہوں وہ صحیح ہے ۔"

"قرآن کی رُو سے بھی مولانا صاحب کے موقف کو متعدّد علماء نے غلط قرار دیا' مگر مولانا مصر ہیں کہ رائے میری ہی درست ہے۔ ہم نے مایوس ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ مولوی صاحب کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے' کیونکہ بحث جاری رکھنے کا نتیجہ یہی تھا کہ زیادہ نہ سہی چند لوگ ہی مولانا کے غلط استدلال سے گمراہ ہو کر مجاہدین کی امداد سے دست کش ہو جائیں۔ مگر مولانا نے نہ صرف ایک ایسا بیان جاری کر دیا جو ان کے پُرانے ارشادات سے بھی زیادہ خطرناک ہے بلکہ اب یہ بیان کثیر تعداد میں چھپوا کر تقسیم بھی کیا جا رہا ہے اور عامتہ المسلمین میں مسئلہ کشمیر کے متعلق غلط فہمیاں اور انتشار پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

خدا جانے کیوں۔ مگر اس مرتبہ قرآن کو چھوڑ کر مولانا صاحب نے اس بیان میں زیادہ تر ہندوستان اور پاکستان کے مابین مختلف اقتصادی' مالی اور تجارتی معاہدوں کا ذکر کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی مملکتوں کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے ہی ان دونوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں نئی حکومتیں ایک ہی برطانوی سکیم کے ماتحت قائم ہوئیں۔

اب فرمایئے! اس عجیب و غریب منطق کا کیا جواب دیا جائے؟ مولانا فرماتے ہیں کہ پاکستان نے ہندوستان میں اپنا ہائی کمشنر بھیج رکھا ہے' اس لئے دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدہ ہے اور پاکستان کے باشندے اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کو مدد دینے کے مجاز نہیں۔ مولانا صاحب کے اس بیان میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے "کہ کشمیر کے متعلق بھی حکومتِ پاکستان اور حکومتِ ہندوستان میں معاہدہ ہو چکا ہے اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کشمیر کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا"۔ خدا جانے یہ سمجھوتہ کب ہوا۔ پاکستان تو پہلے دن سے ہی کہہ رہا ہے کہ ہم کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کو فراڈ سمجھتے ہیں اور اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ مگر مولانا مودودی کی رائے یہ ہے کہ ازرُوئے معاہدہ مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان سے الحاق کا حق حاصل تھا اور پاکستان یہ نہیں کہہ سکتا کہ کشمیر کے معاملے میں ہمارا ہندوستان سے سرے سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ مولانا کشمیر کے معاملے میں سب جھگڑوں اور مصیبتوں کی ذمہ داری ہمارے

لیڈروں کی اہم غلطیوں پر ڈالتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک عبداللہ ' ہری سنگھ اور پٹیل تو بے گناہ اور بے قصور ہیں اور سارا قصور جناح ' غلام عباس اور ابراہیم کا ہے۔ اور مولانا کے بیان کی تان اس پر آکر ٹوٹی ہے کہ جب تک پاکستان ہندوستان کے خلاف باقاعدہ جنگ نہ کرے پاکستانی مسلمانوں کو کشمیری مسلمانوں کو مدد دینے کا کوئی حق نہیں۔

اب ان مولانا صاحب کو کون یہ بات بتائے کہ ہندوستان اور پاکستان کے مابین واقعی سرے سے کوئی معاہدہ ہی نہیں اور اس سلسلے میں ان کا مفروضہ ہی غلط ہے۔ محض ہائی کمشنروں کا تبادلہ ' پاکستان کے مسلمانوں کے لئے جہادِ کشمیر میں شرکت کو حرام نہیں بنا دیتا۔ سپین اور برطانیہ میں معاہدہ تھا۔ سپین اور اٹلی اور جرمنی کے مابین بھی کئی معاہدے تھے اور سفراء کا بھی باہمی تبادلہ تھا ' مگر انگریز ' جرمنی اور اطالوی رضاکار سپین کی سول نافرمانی میں جا کر لڑتے رہے۔ اب مصر ' عراق ' سعودی عرب اور شام کے امریکہ سے تجارتی ' مالی اور سیاسی معاہدے بھی ہیں اور سفراء اور نمائندوں کا باہمی تبادلہ بھی ہے ' مگر امریکہ نام نہاد حکومتِ اسرائیل کو مدد دے رہا ہے اور مصر ' عراق اور سعودی عرب کی فوجیں حکومتِ اسرائیل کے خلاف برسرِپیکار ہیں اور امریکی اور برطانوی رضاکار ان عربوں کے خلاف لڑ بھی رہے ہیں۔ حالانکہ امریکہ اور برطانیہ نے ان ملکوں کے خلاف کوئی اعلانِ جنگ نہیں کیا۔ قرآن کی روشنی میں علمائے کرام ثابت کر چکے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب کا نظریہ غلط اور گمراہ کن ہے ' بین الاقوامی قانون اور سیاست کی رُو سے بھی ان کی اختیار کردہ پوزیشن بالکل غلط ہے۔"

(نوائے وقت مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء اداریہ)

ہم قارئین سے اتنے طویل اقتباس کے لئے معذرت خواہ ہیں لیکن اس کا من و عن نقل کرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اس میں جہادِ کشمیر کے بارے میں اُلجھائی ہوئی بحث کے تمام گوشے آ گئے ہیں اور اس اداریئے کے بعد تو انہوں نے یوں محسوس کیا کہ ان کے اردگرد گھیرا تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا کر ایک تنکے کا سہارا لے کر جہادِ کشمیر کے جواز کا مذکورہ بالا فتویٰ دے دیا۔

معاہدانہ تعلقات والی دلیل کا علمی تجزیہ

اب ہم ان کے معاہدانہ تعلقات والی دلیل کا علمی تجزیہ کرتے ہیں کہ اس بارے میں وہ کس حد تک حق پر تھے۔ حضرت عثمانی کے نام خط میں ہم ان کی اس دلیل کو نقل کر آئے ہیں۔ اب اس کے تجزیئے کے لئے اسے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے:۔

یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمانانِ پاکستان کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصاً اس حکومت کے گورنر جنرل کو کم از کم ۹۹ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ لہٰذا کسی بیرونی قوم کے ساتھ جو معاہدات یہ حکومت طے کرے وہ دراصل ہماری قوم کی طرف سے وکالتاً طے ہوں گے اور ہم سب شرعاً و اخلاقاً خدا و خلق کے سامنے انہیں وفا کرنے کے ذمّہ دار ہوں گے۔ جب تک ان لوگوں کو قوم کی نمائندگی کا منصب حاصل ہے' ہمارے افراد کو انفرادی طور پر ان کے کئے ہوئے معاہدات کی ذمّہ داری سے بری ہو جانے کا حق نہیں ہے"۔

(خطبات عثمانی صفحہ ۲۵۲)

مولانا کی اس دلیل کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ انہوں نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں اسے بطور ایک شرعی اصول کے پیش کیا۔ چنانچہ اپنی اس تفسیر کی جلد سوم کے صفحہ ۱۶۲ پر فرماتے ہیں:۔

"اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدانہ تعلّقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہیں کی جا سکے گی جو ان تعلّقات کی اخلاقی ذمّہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو"۔

مودودی صاحب کے اس انٹرویو کے ذریعے پاکستان کی سیاسی تاریخ کا اہم باب مرتّب کرنے والے اگر مودودی صاحب کی مذکورہ بالا دو سطروں پر غور فرماتے تو جہادِ کشمیر کی حرمت کے فتویٰ کی پوری تفصیلات ان کے سامنے آ جاتیں۔ تاہم اگر ان کی یہ تفسیر صرف انہی دو سطروں تک محدود رہتی تو اس کا تعلّق زیادہ سے زیادہ جہادِ کشمیر تک ہی رہتا لیکن انہوں نے جو تفسیر کو ذرا طول دیا تو ایک اور اہم مسئلہ بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ کی حرمت کا فتویٰ تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہ

بھی فرماتے ہیں:۔

"علاوہ بریں یہ آیت اسلامی حکومت کی خارجی سیاست پر بھی بڑا اثر ڈالتی ہے۔ اس کی رُو سے دولتِ اسلامیہ کی ذمّہ داری ان مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہر کے مسلمانوں کے لئے کسی ذمّہ داری کا بار اس کے سر نہیں ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۱)

ہندوستان کے مسلمانوں سے شادی بیاہ حرام

اور پھر اُن کی اس تفسیر کا منطقی نتیجہ بھی اُنہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:۔

"پس یہ آیت دستوری و سیاسی ولایت کو ریاست کے ارضی حدود تک محدود کر دیتی ہے اور ان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص رشتہ سے خارج قرار دیتی ہے۔ اس عدم ولایت کے قانونی نتائج بہت وسیع ہیں جن کی تفصیلات بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مثال کے طور پر صرف اتنا اشارہ کافی ہو گا کہ اس عدم ولایت کی بنا پر دارا لکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں بن سکتے، باہم شادی بیاہ نہیں کر سکتے اور اسلامی حکومت کسی ایسے مسلمان کو اپنے ہاں ذمّہ داری کا منصب نہیں دے سکتی جس نے دارا لکفر سے شہریت کا تعلق نہ توڑا ہو۔ (ایضاً)

پاکستان دار عدُو ہے

اب تو راقم کو مودودی صاحب کی ان فقہی آراء اور تفاسیر کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے، لیکن جب وہ جماعتِ اسلامی کا ادنیٰ سا خادم تھا تو جو صاحب بھی مودودی صاحب کے جہادِ کشمیر کی حُرمت کے فتویٰ کا ذکر کرتے ان کے سامنے مودودی صاحب کے یہ دلائل بڑے فخر سے پیش کرتا۔ اپنے شہر کے مشہور عالمِ دین، میاں اصغر علی صاحب جن کے ہاں جماعتِ اسلامی کے تمام چھوٹے بڑے لیڈر بطور مہمان ٹھہرتے تھے، انہوں نے ایک بار مجھے ٹوکا کہ مودودی صاحب کی اس دلیل کی کوئی حیثیت تب ہوتی جب وہ پاکستان کو

دارالاسلام تو کجا صرف مسلمانوں ہی کی ریاست تسلیم کر لیتے۔ لیکن وہ تو اسے دار عدُو یعنی دشمن کا گھر سمجھتے ہیں۔ امیر جماعتِ اسلامی ضلع میانوالی مولوی علی محمد صاحب جو اس وقت تک جماعتِ اسلامی میں شامل نہیں ہوئے تھے، نے بھی اس کی تائید کی لیکن اس کے باوجود راقم کی آنکھوں سے عقیدت کا پردہ نہ اُٹھا۔ اگلے دن ترجمان القرآن کا تازہ شمارہ موصول ہوا تو اس میں جماعتِ اسلامی کا یہ مسلک من و عن خود مودودی صاحب کے الفاظ میں درج تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

"جس تاریخ کو اس نوزائیدہ مملکت کی آئینی زبان سے یہ شہادت ادا ہوئی اسی روز جماعتِ اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اس کے ایک اسلامی مملکت ہونے کو تسلیم کر لیا اور ٹھیک ۲۴ روز بعد پوری آئینی پوزیشن کا جائزہ لے کر یہ اعلان کیا کہ اب اس ریاست کی شرعی حیثیت سابق غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ اب اس کی ملازمت جائز ہے۔ اس کی عدالتوں میں جانا حلال ہے۔ اب ایک باقاعدہ اسلامی مملکت بن جانے کے بعد یہ دار عدُو "دشمن کا گھر" نہیں رہی جس کے خلاف جدّوجہد کرنا ہمارا کام ہو بلکہ ہمارا اپنا دار بن گئی ہے، جسے سنوارنا اور ترقی دینا ہمارا کام ہو گیا ہے"۔ (ماہ نامہ ترجمان القرآن۔ جون ۱۹۵۱ء، صفحہ ۶۸/۴، ۶۹/۵)

چنانچہ خود مودودی صاحب کی زبانی اس وضاحت کے آ جانے کے بعد میاں صاحب نے بتایا کہ اب اس کی روشنی میں جہادِ کشمیر کو ناجائز ٹھہرانے والی ان کی معاہدانہ تعلّقات والی دلیل پر دوبارہ نظر ڈالیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اس دلیل کو خود تسلیم نہیں کرتے تھے۔ محض اپنے ایک غلط فتویٰ کو جھوٹا سہارا دینے کے لئے اس کا دامن تھاما اور پھر فرمایا کہ کاش مودودی صاحب اپنے غلط فتویٰ سے فوری طور پر رجوع فرما لیتے تو اس سے ان کے وقار میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا۔

پاکستانی حکمرانوں پر مودودی صاحب کی کردار کشی کا الزام

یہ ہیں مختصر الفاظ میں جہادِ کشمیر کے فتوٰے کے بارے میں تفصیلات جن کے متعلّق مودودی صاحب نے شاید یہ گمان فرما لیا تھا کہ چونکہ ہمارے عوام کا حافظہ ضرب المثل طور پر کمزور ہے، اس لئے وہ ان سب پر بڑی ہوشیاری سے دبیز پردہ ڈال کر پاکستان کی

سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب اپنی خواہشات کے مطابق مرتّب کروالیں گے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنے کے لئے اُلٹا اُس وقت کے پاکستانی حکمرانوں پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے جہادِ کشمیر کی حُرمت کے فتویٰ کا جھوٹا افسانہ میری کردار کشی کے لئے کھڑا کیا تھا۔ مودودی صاحب کے اس الزام میں اگر ذرّہ بھر بھی صداقت ہو تو اس وقت کے پاکستانی حکمران جن میں خان لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان بھی شامل ہیں، واقعی مجرم قرار پاتے ہیں۔ لیکن اگر اصل حقیقت تلاش کی جائے تو اپنے الزام کے برعکس، خود مودودی صاحب اس کے مرتکب نظر آتے ہیں۔ اس وقت کے پاکستانی حکمرانوں کے بارے میں آپ جو کچھ فرماتے رہے ہیں، قلم اُنہیں مشہود کرنے سے عاجز ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود بانیٔ پاکستان، قائدِاعظم" تک کو نہ بخشا۔ ان کی مشہور کتاب مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم میں ان کے مندرجہ ذیل ارشادات تو کلاسک کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں:۔

" افسوس کہ لیگ کے قائدِاعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہو۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم۔ مطبوعہ آرمی پریس دہلی، شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی، دارالاسلام جمال پور۔ پٹھانکوٹ۔ باب " تحریک اسلامی کا تنزل" ص۳۷۔ سطر ۱۵ اور ۱۶)

اور یہ بھی کہ:۔

" جن کے خیالات، نظریات اور طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی"۔ (ایضاً۔ باب راہ روپشت بمنزل ص۷ سطر ۱۳، ۱۴ اور ۱۵)

جون ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن میں حصولِ پاکستان کی پوری تحریک پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

" یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں ہماری سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے"۔

چوروں کو موقع پر پکڑ لیا جائے تو کبھی کبھی اُن کا منہ کالا کر کے پھرایا جاتا ہے۔ ان کے اس سنگین جرم کے باوجود سنجیدہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ "غیر شریفانہ حرکت ہے"۔ لیکن ملاحظہ فرمائیں کہ مودودی صاحب کن ہستیوں کے ساتھ یہ "غیر شریفانہ حرکت" کر رہے ہیں؟ کیا کردار کشی کی اس سے بھیانک صورت کوئی اور بھی ہو سکتی ہے؟

تاہم انہوں نے اسی پر ہی بس نہیں کیا۔ قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے دیگر زعما کو ہدفِ طعن و تشنیع بنانے کے بعد لکھا کہ:۔

"یہ ساری جماعت بازی گروں سے پٹی پڑی ہے۔ جنہوں نے عجیب عجیب قلابازیاں کھا کر دنیا کو اپنی بودی سیرت اور کھوکھلے اخلاق کا تماشہ دکھایا اور اس قوم کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی جس کے وہ نمائندے بنے ہوئے تھے"۔

تحریک پاکستان کے لیڈروں کی کردار کشی کی اس سے زیادہ خطرناک صورت کیا ہو سکتی ہے! تاہم اس حقیقت کے مدِ نظر کہ ہارنے والے، اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے اکثر و بیشتر ایسی حرکتیں کرتے ہیں، ان کی یہ نازیبا حرکت کسی حد تک گوارا کی جا سکتی تھی۔ لیکن مودودی صاحب تو اس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ تفسیر قرآن جیسی متبرک کتاب میں ان لیڈروں کو ایسی ایسی مغلّظات سے نوازتے ہیں، کہ ایک شریف آدمی عام حالات میں بھی انہیں زبان پر لانا پسند نہیں کرتا۔ مثلاً کبھی تو ان کو شیطان کے شاگردوں کا لقب دیا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۹۹)، ان کی حکومت کو فرعونی قرار دیا جاتا ہے (ایضاً جلد سوم صفحہ ۶۳۷)، یہاں تک کہ انہیں بے ایمان، شیطان، ظالم، جھوٹے اور بے حیاء کی مغلّظ گالیاں دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ (ایضاً جلد دوم صفحہ ۳۹۹، ۴۰۰)

نواں باب

قرآن اور مُرتد کی سزا

مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن کی جلد دوم میں جس دوسرے اہم مسئلہ پر گفتگو کی ہے' وہ مُرتد کی سزا ہے۔ اس کے بارے میں مختصراً تو اس جلد کے تبصرے کے ذیل میں بتایا جا چکا ہے' لیکن چونکہ اس مسئلہ کا تعلق انسانی جان سے ہے اور مودودی صاحب نے اس بارے میں قرآنی احکامات میں تحریف کی ہے' اس لئے اس کا تفصیلاً جائزہ لینا ضروری ہے۔ اسلام میں کسی بھی انسان کا قتل کوئی معمولی بات نہیں' قرآنِ مجید نے قتلِ ناحق کو' ساری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا ہے۔ اس بارے ارشاد ہوا **من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا** جس نے بلاوجہ کسی کو قتل کیا' اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

خود مودودی صاحب نے اس مسئلہ کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس موضوع پر ایک علیٰحدہ کتابچہ "مُرتد کی سزا" بھی تحریر فرمایا ہے اور اس میں قتلِ ناحق کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اتنے اہم مسئلہ کیلئے انہوں نے قرآنِ مجید سے استدلال کرنے کی بجائے ضعیف احادیث کا سہارا لیا ہے۔ قرآنِ مجید کی ایک آیت کو انہوں نے تبرکاً نقل کیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا' اس آیت کا سرے سے اس مسئلہ سے تعلق ہی نہیں۔ اور جن احادیث و آثار کا سہارا لیا ہے وہ بھی کمزور ہیں۔

قرآنِ مجید سے قتلِ مُرتد کے لئے غلط استدلال

یہ بات ہمارے حیطۂ تصوّر سے بالا ہے کہ قتل جیسے اہم معاملہ کی بابت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر سنگین جرم ہے' واضح احکام قرآنِ مجید میں نہ ہوں۔ قرآنِ مجید میں مُرتد کا ذکر اور حکم تقریباً ایک درجن مواقع پر آیا ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے ان میں سے ایک آیت بھی پیش نہیں کی۔ اگر کوئی پیش کی ہے تو ایسی جس کا اس مسئلہ سے دور

کا بھی تعلّق نہیں ۔ اور پھر اس سے بھی انہوں نے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے ۔ وہ آیت اور اس کا جو ترجمہ اور مفہوم مودودی صاحب نے پیش کیا ہے ' حسب ذیل ہے ۔

فان تابو او اقامو الصلوٰۃ و اتو الزکوۃ فاخوانکم فی الدین و نفصل الایات لقوم یعلمون ۔ و ان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم و طعنو افی دینکم فقاتلو ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون ۔

پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ۔ ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کر رہے ہیں جو جاننے والے ہیں ۔ لیکن اگر وہ عہد (یعنی قبولِ اسلام کا عہد) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر زبانِ طعن دراز کریں تو پھر کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو ۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ۔ شاید کہ وہ اس طرح باز آ جائیں ۔ (سورۃ التوبہ ۔ ۲)

یہ آیت سورۂ توبہ میں جس سلسلے میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ۹ ھ میں حج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اعلان برأت کرنے کا حکم دیا تھا ۔ اس اعلان کا مفاد یہ تھا کہ جو لوگ اب تک خدا اور اُس کے رسول ؐ سے لڑتے رہے ہیں اور ہر طرح کی زیادتیوں اور بدعہدیوں سے خدا کے دین کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے ہیں ' ان کو اب زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے ۔ اس مدّت میں وہ اپنے معاملے پر غور کر لیں ۔ اسلام قبول کرنا ہو تو قبول کر لیں ' معاف کر دیئے جائیں گے ۔ ملک چھوڑ کر نکلنا چاہیں تو نکل جائیں ' مدّتِ مقررہ کے اندر ان سے تعرض نہ کیا جائے گا ۔ اس کے بعد جو لوگ ایسے رہ جائیں گے جنہوں نے نہ اسلام قبول کیا ہو اور نہ ملک چھوڑا ہو ' اُن سے جنگ کی جائے گی ۔ اس سلسلے میں فرمایا گیا کہ اگر وہ توبہ کر کے ادائے نماز و زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ۔ لیکن اگر اس کے بعد وہ پھر اپنا عہد توڑ دیں تو کفر کے لیڈروں سے جنگ کی جائے ۔ یہاں عہد شکنی سے مُراد کسی طرح بھی سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کہی جا سکتی ' بلکہ سیاقِ عبارت صریح طور پر اس کے معنی اقرارِ اسلام سے پھر جانا متعیّن کر دیتا ہے اور اس کے بعد **فقاتلو ائمۃ الکفر** کے معنی اس کے سوا

کچھ نہیں کہ تحریکِ ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کی جائے۔ (مرتد کی سزا صفحہ ۹۔۱۰)

مودودی صاحب جو چاہیں اسے وہی مفہوم پہنا سکتے ہیں۔ تاہم یہ معنی نہ تو سیاقِ عبارت سے نکلتے ہیں اور نہ ہی کسی مفسّر کے ذہن میں آ سکے ہیں۔ مفسّرین قرآن نے اس آیت سے جو کچھ مُراد لیا ہے وہ ہم بیان کر دیتے ہیں تاکہ قارئین اندازہ کر سکیں کہ مودودی صاحب نے قرآنِ مجید کے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

"اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے"

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یعنی اگر عہد و پیمان توڑ ڈالا (جیسے بنی بکر نے خلاف عہد 'خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آور کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ دینِ حق کے متعلّق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہے تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ ائمۃ الکفر (کفر کے سردار اور امام) ہیں۔ کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سُن کر بہت سے کجرو اور بے وقوف پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ایسے سرغنوں سے پورا مقابلہ کرو 'کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہ رہا۔ ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آ جائیں۔"

یاد رہے کہ اس آیت میں قسمیں توڑنے کا ذکر ہے۔ اسلام لانے کے لئے قسمیں نہیں اُٹھائی جاتی تھیں کہ ان کو توڑے جانے کا سوال پیدا ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں:۔

(توڑا انہی قسموں کو) اگر ثابت ہو کہ ایک کافر عیب دیتا ہے ہمارے دین کو وہ ذمّی نہ رہا۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے جو معنی بتائے ہیں وہ مودودی صاحب کے مفہوم کی جڑ کاٹ دیتے ہیں:۔

قال ابن عباسؓ حرمت هذه الايته دماء اهل القبلته (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۰۱)

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت نے ایک ہی قبلہ کی جانب منہ کرنے والوں (یعنی مسلمانوں) کا خون حرام کر دیا ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں عہد شکنی سے مُراد کسی طرح بھی سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کہی جا سکتی اور مفسّرین ہیں کہ بیک زبان اسے سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی فرما رہے ہیں۔ علامہ رازی فرماتے ہیں:۔

و کل المفسّرین حملہ علی نقض العھد قال ابن عباس و السدی و الکلبی نزلت فی کفار مکتہ نکثوا ایمانھم بعد عھد الحدیبتہ و اعانو ابنی بکر علی خزاعتہ و ھذہ الایتہ تدل علی ان قتال الناکثین اولی من قتال غیرھم من الکفار لیکون ذلک زجرا لغیرھم (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۰۳)

(ترجمہ) تمام مفسّرین نے اس سے نقضِ عہد مراد لیا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ سدیؒ اور کلبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان کُفّارِ مکّہ کے متعلّق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حدیبیہ کے عہد کو توڑ ڈالا۔ اور قبیلہ خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کی۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عام کُفّار کی نسبت عہد توڑنے والے کفار سے جنگ کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ یہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔

علّامہ بیضاوی بھی عہد سے مراد مشرکین کا عہد لیتے ہیں۔

التی حلفوھا مع الرسول علیہ السلام و المومنین ان لا یعاونوا علیھم فعاونوا ابنی بکر علی خزاعتہ۔ (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

صاحب التفسیر المظہری نے بھی اس سے کُفّارِ مکّہ کا عہد لیا ہے۔

(وان نکثوا ایمانھم) ای نقضوا عھدھم۔ (ائمتہ الکفر۔)

قال ابن عباس نزلت فی ابی سفیان بن حرب و الحارث بن ھشام و سھیل بن عمرو و عکرمتہ بن ابی جھل و سائر روساء قریش یومئذ الذین نقضوا العھد (تفسیر المظہری جلد ۴ صفحہ ۱۴۳)

اگر وہ اپنی قسموں کو توڑیں یعنی اپنے عہدوں کی پرواہ نہ کریں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ائمتہ الکفر سے اس وقت کے روساء قریش مراد ہیں۔ یعنی ابو سفیان بن

حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمر، عکرمہ بن ابو جہل وغیرہ جنہوں نے عہد توڑا۔

غرضیکہ تمام مفسرین اس سے مُراد کُفّارِ مکّہ کا عہد مُراد لیتے ہیں۔ مودودی صاحب کے خیال کے مطابق اگر تمام مفسرین غلطی پر ہیں تو انہیں اس کے دلائل دینے چاہئیں تھے۔ اگر سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو اس آیت سے ذرا پہلے اس عہد کا ذکر گزر چکا ہے جو یہ ہے:-

کیف یکون للمشرکین عھد عند اللہ و عند رسولہ الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم۔

یعنی مشرکین کے لئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اللہ کے نزدیک ان کا کوئی عہد قابلِ اعتنا ہو۔ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد الحرام کے پاس معاہدہ کیا۔ پس جب تک وہ تمہارے ساتھ معاہدہ پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ معاہدہ پر قائم رہو۔

بالفرض اگر کچھ وقت کے لئے مودودی صاحب کا استدلال مان بھی لیا جائے تو پھر بھی اس آیت سے یہ تو کسی صورت میں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ مجرّد مذہب چھوڑنے سے کوئی شخص واجب القتل ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی اس سے لڑائی کرنے کے لئے **وطعنوا فی دینکم** کی قید موجود ہے۔ یعنی جب وہ تمہارے دین میں طعن کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت کے معنی میں اتنی کھینچ تان کے باوجود مودودی صاحب بھی اس استدلال سے مطمئن نظر نہیں آتے۔ چنانچہ انہیں یہ کہنا پڑا کہ:-

"بعض لوگ حدیث اور فقہ کی باتیں سن کر یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ قرآن میں یہ سزا کہاں لکھی ہے۔ ایسے لوگوں کی تسلّی کے لئے اگرچہ ہم نے اس بحث کے ابتداء میں قرآن کا حکم بھی بیان کر دیا ہے لیکن اگر بالفرض یہ حکم قرآن میں نہ بھی ہوتا تو حدیث کی کثیر التعداد روایات، خلفائے راشدین کے فیصلوں کی نظیریں اور فقہا کی متّفقہ رائیں اس حکم کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں۔ ثبوتِ حکم کے لئے ان چیزوں کو ناکافی سمجھ کر جو لوگ اس کا حوالہ قرآن سے مانگتے ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ تمہاری رائے میں کیا اسلام کا پورا قانونِ تعزیرات وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے"۔ (مرتد کی سزا صفحہ ۳)

مُرتد کے بارے قرآنی آیات

یہ تو ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ احادیث اور ائمہ مجتہدین کی آراء کے ساتھ مودودی صاحب نے کیا سلوک کیا ہے ' لیکن جب ایک حکم قرآن میں واضح طور پر ایک جگہ نہیں دس جگہ موجود ہو تو اس پر پردہ ڈالنا کہاں کی دیانتداری ہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ قتلِ مرتد کے لئے انہیں قرآنِ مجید سے ثبوت ملنے میں مایوسی ہوئی ہے ۔ لیکن علمی دیانتداری کا یہ تقاضا تھا کہ جن آیات میں مُرتد کی بابت واضح احکام موجود ہیں ' ان کو بیان تو کر دیتے ' چاہے ان کی من مانی تاویل ہی کر دیتے ۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ آیات اپنے معانی میں اتنی واضح تھیں کہ ان سے مودودی صاحب کے مسلک کی جڑ کٹ جاتی تھی ۔ نیز ان میں تاویلات کی گنجائش بھی بہت کم تھی ۔

یہ آیات امام بخاریؒ نے قتلِ مرتد کے باب میں جمع کی ہیں اور ہم بھی وہیں سے نقل کرتے ہیں ۔

(۱) کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم و شھدوا ان الرسول حق و جاءھم البینت و اللہ لا یھدی القوم الظالمین اولائک جزاھم ان علیھم لعنۃ اللہ و الملائکۃ اجمعین خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون الا الذین تابوا من بعد ذلک و اصلحوا فان اللہ غفور رحیم ۔ (آل عمران ۔ ۸۶) ترجمہ :۔ خدا ایسے لوگوں کو کیونکر راہ دکھائے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ۔ اور اس بات کی گواہی دے کر کہ بے شک رسول سچا ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آ گئیں اور اللہ ظالمین کو راہ نہیں دکھاتا ۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ' نہ ان کا عذاب ہلکا ہو گا اور نہ ہی انہیں مُہلت دی جائے گی ۔ مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور نیک کام کئے تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے ۔

(۲) و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت و ھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا و

الاخرہ و اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (البقرۃ - ۲۱۷)

اور جو تم میں سے اپنے دین سے مُرتد ہو گیا (پھر گیا) اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو دنیا اور آخرت دونوں میں اس کے اعمال اکارت میں جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

(۳) ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادو کفرا لن تقبل توبتھم و اولئک ھم الضالون۔ (آلِ عمران - ۸۵)

جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا (یعنی مُرتد ہو گئے) پھر اپنے کفر میں بڑھتے گئے تو ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور وہ گمراہ ہیں۔

(۴) ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم و لا یھدیھم سبیلا (النساء - ۱۳۷)

جن لوگوں نے اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کیا۔ پھر ایمان لے آئے اور پھر دوبارہ مُرتد ہو گئے تو باری تعالیٰ نہ تو انہیں بخشے گا اور نہ ہی ان کو راہ راست کی طرف ہدایت کرے گا۔

(۵) یاایھا الذین امنوا من یرتدمنکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ - (المائدہ - ۵۴)

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے مُرتد ہو جائے تو اللہ اس کے بدلے ایک ایسی قوم لے آئے گا جس سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔

(۶) من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان و لکن من شرح بالکفر صدرًا فعلیھم غضب من اللہ و لھم عذاب عظیم۔ ذلک بانھم استحبوا الحیوٰۃ الدنیا علی الاخرۃ و ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین۔ (النحل - ۱۰۶/۱۰۷)

"جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے سوائے اس شخص کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو، لیکن وہ شخص جو شرح صدر سے کفر قبول کرے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کی بجائے دُنیا کی زندگی کو زیادہ محبوب رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو

ہدایت نہیں کرتا"۔

(۷) و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا (آلِ عمران ۔ ۱۴۴)

اور جو اُلٹے پاؤں (اسلام) سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو گا۔

(۸) و من یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل

جو ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے تو پس وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ (البقرہ ۔ ۱۰۸)

ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جو اس سلسلے میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان آیات میں بار بار دینِ اسلام سے پھرنے اور اِرتداد کا ذکر آیا ہے۔ اگر اس کی کوئی شرعی حد ہوتی تو یہ اس کے بیان کا صحیح موقع تھا مگر باری تعالیٰ نے ایک جگہ بھی ایسی کوئی سزا بیان نہیں فرمائی اور مُرتد کے لئے اگر کوئی سزا بیان فرمائی ہے تو وہی جو ایک کافر کی سزا ہے۔ کہ آخرت میں اس کی نجات نہ ہو گی۔

منافقین اور اِرتداد

منافقین کے مُرتد ہونے کی گواہی قرآن مجید دیتا ہے۔

(۱) اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ انھم ساء ما کانوا یعملون ذلک بانھم امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون (المنافقون ۔ ۲)

ان (منافقین) نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر لوگوں کو راہِ حق سے روکا۔ بے شک وہ بہت ہی برا کام کرتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے پہلے ایمان لا کر کفر اختیار کیا۔ پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے اس لئے وہ حق کو سمجھتے ہی نہیں۔

(۲) لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (التوبۃ ۶۶)

معذرت نہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔

(۳) یحلفون باللہ ما قالوا و لقد قالوا کلمۃ الکفر و کفروا بعد اسلامھم (التوبہ ۔ ۷۴)

یہ لوگ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا اور اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

قرآنِ مجید میں منافق کو واضح طور پر مُرتد قرار دیا گیا ہے۔ منافقین کی یہ جماعت مسلمانوں کو ہر موقع پر زک پہنچانے کی بھی کوشش کرتی رہی۔ رسولؐ مقبول ان کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ لیکن کسی پر شرعی حد قائم نہیں کی گئی۔ خود مودودی صاحب کے نزدیک منافق کے لئے اس دُنیا میں کوئی سزا نہیں۔ چنانچہ ان کے مسلک کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ مُرتد لوگ قتل سے بچنے کے لئے منافقت اختیار کریں۔ بلکہ وہ خود ان کو ایسا کرنے کی راہ دکھا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر وہ ایسا ہی راستی پسند ہے کہ منافق بن کر نہیں رہنا چاہتا بلکہ جس چیز پر اب ایمان لایا ہے اس کی پیروی میں صادق ہونا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو سزائے موت کے لئے کیوں نہیں پیش کرتا:۔ (مُرتد کی سزا صفحہ ۵۰۔۵۱)

یعنی اگر وہ اپنے آپ کو سزائے موت کے لئے پیش نہیں کر سکتا تو بیشک وہ منافق بن کر رہے۔

مُرتد کا حکم احادیث میں

قرآنِ مجید سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ صرف دین چھوڑنے پر اس دنیا میں کسی قسم کی شرعی حد لازم نہیں آتی، ہم احادیث کو لیتے ہیں۔ احادیث میں جہاں بھی مرتد کی سزا بیان ہوئی ہے تو وہ اس قید سے مقیّد ہے کہ وہ شخص حارب اللہ و رسولہٗ (اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرنے) کا مرتکب ہو۔ اگر وہ اس کا مرتکب نہیں تو اس پر کوئی سزا نہیں۔ ہم پہلے ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں مُرتد کے قتل کا حکم ہے۔

(۱) عن عائشہ ان رسول اللہ صلعم قال لا یحل دم امری مسلم الا باحدی ثلث خصال ۔ زان محصن یرجم او رجل قتل رجلا متعمدا فیقتل او رجل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ عز و جل و رسولہ فیقتل او یصلب او ینفی من الارض۔ رواہ النسائی

(بحوالہ نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۷)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تین صورتوں کے بغیر کسی مسلمان کا خون جائز نہیں۔ یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور زنا کرے، اسے سنگسار کیا جائے۔ دوسرا قتلِ عمد اور تیسرا یہ کہ دین اسلام چھوڑ کر اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرے۔

ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہئے یا پھانسی پر لٹکایا جائے یا ملک بدر کر دیا جائے۔

(۲) عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلعم لا یحل دم امری مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ الا فی احدی الثلاث رجل زنی بعد احصان فانہ یرجم و رجل خرج محارباً للہ و رسولہ فانہ یقتل او یصلب او ینفی او یقتل نفساً فیقتل بھا۔

(سنن ابو داؤد۔ کتاب الحدود۔ باب الحکم من ارتد)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کسی مسلمان کا خون تین صورتوں کے علاوہ حرام ہے۔ پہلی یہ کہ وہ شادی کے بعد زنا کرے، پس اس کو رجم کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ وہ اللہ اور رسول سے جنگ کرے، پس اس کو قتل کر دیا جائے یا پھانسی پر لٹکایا جائے۔ یا ملک بدر کر دیا جائے، یا وہ قتلِ عمد کا مرتکب ہو۔

بخاری شریف میں بھی اسی مضمون کی دو روایات ہیں۔

(۳) عن ابی قلابتہ قال فو اللہ ما قتل رسول اللہ صلعم احداً قط الا فی احدی ثلٰث خصال۔ رجل قتل بجریرہ نفسہ فقتل او رجل زنی بعد احصان او رجل حارب اللہ و رسولہ و ارتد عن الاسلام۔ (باب القسامتہ)

(۴) دوسری روایت بھی ابو قلابہ سے مروی ہے اور وہ کتاب التفسیر باب انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ میں موجود ہے۔

ان تمام احادیث میں یہ حکم واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ صرف اُس مُرتد کی سزا قتل ہے جو حارب اللہ و رسولہٗ کا مرتکب ہوا ہے۔ جو حارب اللہ و رسولہٗ کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر کوئی شرعی حد قائم نہ ہو گی۔ جس کی مثالیں حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ بھی رسولؐ مقبول کے ایسے عمل کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبد اللہ قال ان اعرابیاً بایع رسول اللہ صلعم علی الاسلام فاصابہ وعک فقال اقلنی بیعتی فابی۔ ثم جاءہ فقال اقلنی بیعتی فابی فخرج فقال رسول اللہ صلعم المدینتہ کالکیر تنفی و ینقح طیبھا۔

(کتاب الاحکام باب من بایع ثم استقال البیعتہ)

ایک دیہاتی عربی نے رسول اللہ ؐ کے ساتھ اسلام پر بیعت کی۔ اسے بخار ہو گیا تو اس نے کہا میری بیعت واپس کر دو۔ آپ نے پھر انکار کیا لیکن وہ اعرابی نکل گیا۔ (مدینہ سے چلا گیا) تو رسول ؐ اللہ نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو نکال دیتی ہے اور خالص کو رہنے دیتی ہے۔

یہ اعرابی آپ کے سامنے مُرتد ہوتا ہے لیکن اس کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔

یہ احادیث اور واقعات چونکہ مودودی صاحب کے مسلک کے خلاف جاتی تھیں اس لئے وہ اِنہیں سامنے ہی نہیں لائے۔ اور کثیر التعداد احادیث میں سے صرف وہ احادیث چُن چُن کر بیان کیں جن میں کسی وجہ سے حارب اللہ و رسولہٗ کی قید کا ذکر نہ تھا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ احادیث بھی اسی قید (حارب اللہ و رسولہٗ) سے مقیّد ہیں۔ کیونکہ یہ قید صرف اسی صورت میں ٹُوٹ سکتی ہے جب کہ رسول ؐ اللہ اس کی تصریح فرما دیں کہ قتلِ مُرتد کے لئے حارب اللہ و رسولہٗ کی قید لازمی نہیں۔ چنانچہ قرآن اور احادیث میں اس اصول کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

پہلی مثال۔ آیت (**واشھدوا ذوی عدل منکم**) میں گواہوں کے لئے عدالت کی شرط ہے۔ اس لئے اس کے بعد گواہی دینے کا جو حکم ہو گا اس میں یہ قید لازماً تسلیم کرنا پڑے گی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے۔ **واشھدوا شھیدین من رجالکم** (اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو۔) اس آیت میں عدالت کی کوئی قید نہیں لیکن پہلے حکم کی وجہ سے یہ گواہی بھی عدالت کی شرط کے ساتھ مقیّد ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ اس آیت میں عدالت کی قید نہیں، اس لئے ہم غیر عادل گواہ کی شہادت بھی قبول کر لیں گے۔ غیر عادل گواہ کی شہادت تب ہی قابل قبول ہو گی جب اس کا واضح حکم ہو۔ اسی اصول کے مطابق اِرتداد کے متعلق بھی دوسری تمام احادیث میں حارب اللہ و رسولہٗ کی قید لازماً ماننی پڑے گی۔

اس قسم کی کئی مثالیں قرآن اور حدیث سے پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ بات بالکل واضح ہے کہ جب ایک جگہ ایک حکم کسی شرط سے مقیّد ہو، دوسرے موقع پر اس شرط کا کوئی ذکر نہ کیا گیا ہو، اسے بھی پہلی شرط سے

مقید ماننا پڑے گا۔ مسئلہ ارتداد کی بھی یہی صورت ہے۔ کچھ احادیث میں جو (حارب اللہ و رسولہٗ) کی قید لگائی گئی ہے' دوسری احادیث میں بھی لازماً اس قید کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس لئے مودودی صاحب نے جو کوشش فرما کر ایسی احادیث نکالی ہیں جن میں اس قید کا ذکر موجود نہیں تو وہاں بھی ہمیں لازماً یہ قید تسلیم کرنی ہو گی۔ مودودی صاحب اس اصول سے اچھی طرح واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو بیان کرنے سے گریز کیا جن میں یہ قید موجود تھی۔

ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ

ائمہ مجتہدین نے بھی مُرتد کے حکم کے لئے اس قید کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حنفی فقہ کے مشہور امام علّامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔ **یجب فی القتل بالردہ ان یکون لدفع شر حرابہ لان جزاء علی فعل الکفر لان جزاءہ اعظم من ذلک عند اللہ تعالے فیختص بمن یتاتی عنہ الحراب و ھو رجل و لھذا نھی النبی صلعم عن قتل النساء و علللہ بانھالم تکن یقاتل** (فتح القدیر جلد ۴ ص۔ ۳۸۹)

ترجمہ:۔ مُرتد کے قتل میں امر ضروری ہے کہ یہ اس کے جنگ کے شر کو دور کرنے کے لئے ہو' نہ کہ اس کے کفر اختیار کرنے کے لئے۔ کیونکہ کفر کی سزا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جو اس سے بڑی ہے۔ پس قتل کی سزا صرف اس کے لئے مخصوص ہے جس میں جنگ کی صلاحیت ہو۔ اور وہ مرد ہی ہیں اس لئے نبی اکرمؐ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا کیونکہ وہ جنگ نہیں کرتیں۔

آگے چل کر مودودی صاحب نے ائمہ مجتہدین کی بابت بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ قتلِ مُرتد کے مسئلہ پر متفق ہیں۔ حالانکہ اُوپر والی تصریح سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ سزا کفر اختیار کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ حارب اللہ و رسولہٗ کے مرتکب ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور چونکہ عورت میں لڑائی کی صلاحیت نہیں اس لئے اگر وہ مُرتد ہو جائے تو اس پر کوئی شرعی حد نہیں اور یہ ائمہ مجتہدین کا متفقہ فیصلہ ہے۔ **واما المرتدہ لا تقتل** مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایہ باب احکام المرتدین صفحہ ۵۶۶)